جمعیۃ علماء پر ایک تاریخی تبصرہ

حفیظ الرحمان واصف

جمعیۃ علما پر ایک تاریخی تبصرہ

پیش کردہ
خلیق انجم

مؤلف وناشر

حفیظ الرحمان واصف

مہتمم مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی۔

قیمت ایک روپیہ پچاس نئے پیسے

"مفتی اعظم کی یاد"

حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی پر یہ ایک بڑا عمدہ مجموعہ ہے۔ اس میں وہ تمام مقالات، مضامین، نظمیں، قطعات تاریخ یکجا کر دیئے گئے ہیں جو حضرت موصوف کی وفات پر ہند اور بیرون ہند کے مشاہیر اہل علم نے سپرد قلم فرمائے۔ ان کے مطالعہ سے حضرت موصوف کی سوانح عمری کے علاوہ آپ کے عام اخلاق و عادات پر روشنی پڑتی ہے اور یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ عالم اسلام میں آپ کا مرتبہ اور قدر و منزلت کس قدر بلند تھی۔ آخر میں ایک بہت مفصل و مبسوط مقالہ حضرت مولانا احمد سعید صاحب مرحوم و مغفور کے بھی حالات زندگی پر درج کیا گیا ہے۔ کتاب کیا ہے گلہائے رنگارنگ کا ایک قابل قدر گلدستہ ہے۔ جلد طلب فرمایئے۔ پہلا ایڈیشن ختم ہونے والا ہے۔ سائز متوسط، کاغذ عمدہ سفید، قیمت پانچ روپئے۔ مندرجہ ذیل پتوں میں سے کسی ایک پتے سے طلب فرمایئے۔

(۱) الجمعیۃ بکڈپو۔ گلی قاسم جان دہلی

(۲) مکتبہ برہان۔ اردو بازار دہلی

(۳) سنٹرل بکڈپو۔ اردو بازار دہلی

(۴) کتب خانہ اعزازیہ۔ دیوبند

فہرست مضامین

چند احباب کے اصرار اور مالی اعانت سے حفیظ الرحمان واصف نے کتاب ہذا کو کمال پریس دہلی میں طبع کرا کر شائع کیا۔

جمعیۃ علما پر ایک تاریخی تبصرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نور اللہ مرقدہٗ، ناظم عمومی جمعیۃ علمائے ہند کی وفات کے بعد اور جمعیۃ علمائے ہند کی قیادت کے بدلنے کے بعد جماعت کے اندر ایک عجیب اور افسوسناک ذہنی انقلاب پیدا ہوگیا ہے اور کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا یہ پالیسی طے کرلی گئی ہے کہ جماعت کی گزشتہ تاریخ کو نہ صرف یکسر بدل دیا جائے بلکہ متبادل تاریخ کا مسلسل پروپیگنڈہ پوری قوت و شدت سے کیا جائے۔ تاکہ اصل حقیقت نسیاً منسیا ہوکر ایک نئی مسخ شدہ تاریخ سامنے آئے۔ یہ خیال کسی بدگمانی یا اختلاف کی وجہ سے پیدا نہیں ہوا۔ کیونکہ اختلاف میرا کسی سے نہیں نہ کوئی وجہ اختلاف ہے۔ اس لئے بدگمانی کی بھی کوئی وجہ نہیں، بلکہ وہ مسلسل نظائر جو نگاہ کے سامنے سے گزر رہے ہیں ان کا مشاہدہ یقین کرنے پر مجبور کر رہا ہے کہ یہ ایک سوچی سمجھی اسکیم ہے جو بروئے کار لائی جارہی ہے۔

جمعیۃ علمائے ہند اُن چند مقدس، مخلص اور ایثار پیشہ علماء کی قائم کی ہوئی جماعت ہے جن کو نہ عزت و شہرت کی خواہش تھی نہ نام و نمود کی۔ یہ تمام ہندوستان کے علماء کی نمائندہ جماعت ہے۔ (اور جس وقت ۱۹۱۹ء میں یہ بنائی گئی تھی اُس وقت غیر منقسم ہندوستان میں برہما بھی شامل تھا) اس کی آواز سنجیدہ، رائے باوقار اور قول صادق ہونا چاہیئے، اور یہی اوصاف ہمیشہ اس کا طرۂ امتیاز رہے ہیں۔ لیکن اگر اس کے آرگن میں بے سروپا افسانے اور غلط روایات شائع ہوں۔ اس کے ذمہ دار

ارکان غیر مستند اور غلط واقعات اپنی تقریروں میں بے دھڑک کہنے لگیں تو یہ جماعت ایک باوقار جماعت کہلانے کی مستحق نہیں۔

یہی وہ احساسات ہیں جن کی بنا پر میں نے مورخہ ۳ مئی ۱۹۶۶ء کو برادرِ محترم مولانا سید اسعد میاں ناظم عمومی جمعیۃ علمائے ہند کی خدمت میں مندرجہ ذیل عریضہ بھیجا تھا۔

عزیز محترم مولینا سید اسعد میاں

اسعدکم اللہ فی الدارین

السلام علیکم۔ کئی دفعہ سوچا کہ آپ سے ملوں اور کچھ باتیں کروں مگر بندہ بھی کثرتِ کار اور ہجومِ افکار کی وجہ سے مجبور اور آپ بھی اپنے اسفار کی وجہ سے معذور، ملاقات ہو تو کیونکر ہو۔

واں وہ خیالِ عز و ناز یاں یہ حجاب پاس وضع
راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بلائے کیوں

اس وقت باعث تصدیع یہ امر ہے کہ جمعیۃ علمائے ہند کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۵، ۱۶، ۱۷ اپریل ۱۹۶۶ء بمقام گیا کی کارروائی اخبار الجمعیۃ میں جو شائع ہوئی اور تقاریر و مضامین اور خطبۂ صدارت، خطبۂ استقبالیہ اور خاص کر جمعیۃ علما نمبر سب میرے پیشِ نظر ہیں۔ اب کے یہ جو خاص نمبر شائع ہوا ہے اتنا رنگا رنگ ہے کہ کوئی خاص نمبر پہلے نہیں نکلا۔ زیادہ اہم اور قابلِ افسوس امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا تمام لٹریچر بے انتہا تضاد بیانی اور پراگندہ خیالی کا مرقع ہے۔

جمعیۃ علمائے ہند تمام ملک کے عالی مرتبت علما اور عالی مقام صلحا کی مقدس جماعت ہے۔ اس کے پلیٹ فارم سے جو بات کہی جائے اور شائع کی جائے وہ آئندہ

نسلوں کے لئے ایک تاریخی دستاویز کا حکم رکھتی ہے۔ آپ کے دور میں جمعیۃ کی ایک نئی تاریخ مرتب ہو رہی ہے چونکہ آپ اس کے ذمہ دارانہ عہدے پر فائز ہیں۔ اس لئے ہر معاملے میں آپ ہی مسئول ہیں۔

ہمارے عرب مورخین تاریخی واقعات و سانحات کو بھی حدیث کی طرح سند کے ساتھ روایت کیا کرتے تھے ابن خلدون۔ ابن خلکان۔ بلاذری۔ ابن ہشام۔ ابن اثیر ابن سعد۔ واقدی وغیرہ تمام مسلم مورخین نے مورخانہ دیانت و احتیاط کا جو بلند مقام اور بلند معیار قائم کیا تھا۔ اسی وجہ سے علمی دنیا نے ان کو فن تاریخ کا امام اور معلم اول اور موجد تسلیم کیا۔

میں آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں اس تضاد بیانی اور بدحواسی کی طرف جو اجلاس گیا کے لٹریچر میں نمایاں طور پر پائی جاتی ہے۔ ذیل کے اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) جس جماعت کی تاسیس میں حضرت شیخ الہند مولنا محمود الحسن اور حضرت مولنا سید حسین احمد مدنی اور ان کے فیض یافتہ اکابر اور علما کا ہاتھ ہو الخ (مقالہ افتتاحیہ جمعیۃ علما نمبر ۱۶ اپریل ۱۹۶۶ء)

(۲) ۲۳ نومبر ۱۹۱۹ء کو دلی میں علماء کے اجتماع میں جشن صلح میں شرکت کے خلاف فتویٰ تیار ہوا۔ اسی اجتماع میں جمعیۃ علمائے ہند کا قیام عمل میں آیا۔

(جمعیۃ علما نمبر صفحہ ۴ کالم ۱)

(۳) ۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء کو امرتسر میں جمعیۃ علمائے ہند کا پہلا اجلاس منعقد ہوا۔ (حوالہ ایضاً)

(۴) ۶ ستمبر ۱۹۲۰ء کو کلکتے میں خاص اجلاس منعقد ہوا۔ (ایضاً)

(۵) ۱۹، ۲۰ نومبر ۱۹۲۰ء دلی میں جمعیۃ علما کا دوسرا اجلاس جس میں حضرت شیخ الہند نے مالٹا سے رہا ہو کر صدارت فرمائی۔ (ایضاً)

(۶) جمعیۃ علمائے ہند کا مشاورتی جلسہ ۱۹۱۹ء میں امرتسر میں ہوا۔

(جمعیۃ علما نمبر صفحہ ۶ کالم ۲)

(۷) چنانچہ علما اس میں پیش پیش رہے اور اپنے پیروؤں کی صحیح رہنمائی کی غرض سے انھوں نے جمعیۃ علمائے ہند کی تنظیم کی۔ (ایضاً)

(۸) جمعیۃ کے بانیوں میں مندرجہ ذیل حضرات نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ حضرت شیخ الہند مولنا محمود الحسن صاحبؒ۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ۔ حضرت مولنا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ۔ مولنا ابوالکلام آزاد۔ مولنا عبدالباری فرنگی محلی۔ مولنا ثناء اللہ امرتسری۔ مولانا عبید اللہ سندھی۔ مسیح الملک حکیم اجمل خاں۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری مولنا محمد سجاد صاحب بہاری۔ مولنا احمد سعید صاحب۔ (جمعیۃ علما نمبر صفحہ ۶)

(۹) جمعیۃ علمائے ہند ہی وہ پہلی مذہبی سیاسی جماعت ہے جس نے وطن عزیز کی مکمل آزادی کو اپنا نصب العین قرار دیا اور یہ بات ۱۹۱۹ء کی ہے جب اس کا قیام عمل میں آیا تھا (جمعیۃ علما نمبر صفحہ ۷ کالم ۱) پہلے اجلاس میں۔ (ایضاً زیر عنوان خدمات)

(۱۰) جمعیۃ علمائے ہند نے اجلاس ۱۹۲۱ء منعقدہ لاہور میں ہندوستان کی مکمل آزادی کی تجویز پاس کر کے ہندوستان کی آئینی جد و جہد کا نقش اولین قائم کیا۔

(سنڈے ایڈیشن ۲۴ اپریل ۱۹۶۶ء صفحہ ۸ کالم ۲)

(۱۱) ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علمائے ہند کا باضابطہ قیام امرتسر میں عمل میں آیا (ایضاً کالم ۱)

(۱۲) جمعیۃ علمائے ہند کے اکابر اور بانی حضرات نے ۱۹۱۴ء میں انقلابی تحریک چلائی

جو ریشمی خطوط کی تحریک کے نام سے مشہور ہے ۱۹۱۷ء میں اس تحریک کے سب سے بڑے رہنما شیخ الہند حضرت مولنا محمود الحسن صاحب شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مولنا عزیر گل صاحب اور ان کے رفقا کو حجاز سے گرفتار کر کے پانچ سال تک مالٹا میں نظر بند رکھا گیا۔ اور مولنا عبید اللہ سندھی۔ مولنا محمد میاں منصور انصاری کا ہندوستان میں داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔ (جمعیۃ علما نمبر صفحہ، خدمات)

(۱۳) جمعیۃ علمائے ہند کی تحریک آزادی کے چار دور ہیں۔ پہلا دور شاہ ولی اللہ رح محدث دہلوی سے ۱۸۵۷ء تک۔ دوسرا دور ۱۹۱۲ء تک تیسرا دور ۱۹۱۹ء تک چوتھا دور تقسیم ہند تک پہلے تین دوروں میں جمعیۃ علمائے ہند کی انقلابی جدو جہد غیر آئینی مسلح اور تشدد کے ذریعہ تھی

(جمعیۃ علما نمبر صفحہ ۱۶ کالم ۱)

(۱۴) مالٹا سے رہائی کے بعد شیخ الہند ہندوستان واپس آئے تو گاندھی جی جو ابھی نئے نئے افریقہ سے آئے تھے۔ علی برادران۔ مسلمان ہندو اور ملک کے سبھی فرقوں کے لیڈروں نے بمبئی میں شیخ الہند کا استقبال کیا۔ چونکہ حریت وطن کی تمام غیر آئینی جدو جہد اب تک ناکام ہو چکی تھی لہذا ۱۹۱۹ء میں شیخ الہند نے آئینی جدو جہد کے لئے جماعتی شکل میں جمعیۃ علمائے ہند کی تشکیل فرمائی (ایضاً صفحہ ۱۷ کالم ۱)

(۱۵) ایک خلافت کانفرنس دہلی میں منعقد ہوئی۔ اس میں بعض اہل علم نے یہ مشورہ کیا کہ ہندوستان کے علما کی تنظیم ہونی چاہیئے (آگے لکھتے ہیں) جمعیۃ علمائے ہند قائم ہوئی اور اس کا پہلا جلسہ امرتسر میں خلافت کانفرنس کے ساتھ منعقد ہوا۔ اس میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی رہائی کے متعلق ایک تجویز پاس ہوئی۔ (آگے لکھتے ہیں) اس اجلاس کے صدر مولانا عبد الباری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ (ایضاً ص ۱۷ بیان مولنا احمد سعید)

(۱۶) ذیل میں اُن بزرگوں کے اسمائے گرامی درج ہیں جو جمعیۃ علمائے ہند کے بانی اور اس کے معمار ہیں۔

حضرت شیخ الہند۔ مولٰنا حسین احمد۔ مولٰنا مفتی کفایت اللہ۔ مولٰنا ابوالکلام آزاد۔ مولٰنا عبدالباری فرنگی محلی۔ مولٰنا احمد سعید۔ مولٰنا ثناء اللہ۔ مولٰنا محمد انور شاہ۔ مولٰنا محمد سجاد۔ مولانا سید محمد فاخر۔ مولٰنا عبیداللہ سندھی۔ حکیم اجمل خاں۔ ڈاکٹر انصاری مولٰنا حبیب الرحمن دیوبندی۔ مولٰنا معین الدین اجمیری۔ مولٰنا سید سلیمان ندوی۔ مولٰنا ابوالقاسم سیف بنارسی۔ مولٰنا محمد ابراہیم سیالکوٹی۔ مولٰنا عبدالماجد بدایونی۔ مولٰنا محمد صادق کراچی۔ مولٰنا عبدالحق مدنی۔ مولٰنا بشیر احمد۔ مولٰنا نورالدین بہاری۔ مجاہد ملت مولٰنا حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔

(۱۷) اسارت مالٹا کے بعد جب شیخ الاسلام مولٰنا حسین احمدؒ ہندوستان واپس تشریف لائے تو اس وقت یہاں ایک نئی فضا پیدا ہو چکی تھی (آگے لکھا ہے) ہندوستان کی آزادی کی تحریک اور خلافت کی تحریک زور پکڑ رہی تھی۔ اسی اثنا میں جمعیۃ علمائے ہند کا قیام بھی عمل میں آیا۔ آپ اس کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ (جمعیۃ علما نمبر صفحہ ۱۹ کالم ۱)

(۱۸) حضرت شیخ الہند اسارت مالٹا سے رہائی کے بعد ۲۲ مئی ۱۹۲۰ء کو بمبئی پہنچے ہندوستان میں جمعیۃ علما قائم ہو چکی تھی۔ آپ اس کی رُوحِ رواں بن گئے۔ اور اس کی باگ ڈور آپ نے سنبھال لی۔ (ایضاً کالم ۴)

(۱۹) جب تحریک خلافت کا آغاز ہوا تو) اسی کے ساتھ علمائے کرام کے اتفاق سے حضرت شیخ الہند مولٰنا محمود الحسن اسیر مالٹا کی قیادت میں ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علمائے ہند کا قیام عمل میں آیا۔ (ایضاً صفحہ ۳۲ کالم ۲)

(۲۰) جمعیۃ علمائے ہند کے اجلاسِ عام۔ پہلا اجلاس دسمبر ۱۹۱۹ء بمقام امرتسر زیرِ صدارت حضرت مولانا عبدالباری صاحب۔ (جمعیۃ علما نمبر ص۲۷ وسط صفحہ)

(۲۱) جمعیۃ علمائے ہند کے سب سے پہلے اجلاسِ عام کے صدر شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب چند ماہ پہلے مالٹا کی پانچ سالہ اسارت کے بعد ہندوستان تشریف لائے تھے (سنڈے ایڈیشن ۱۷ اپریل ۱۹۶۶ء صفحہ اول کالم ۵)

(۲۲)۔ (حضرت شیخ الہند اپنے) آخری پیغام میں جو اجلاس کے اختتام پر آپ کی جانب سے بوجہ آپ کی شدید علالت کے پڑھا گیا تھا۔ (ایضاً ص۱ کالم ۵)

(۲۳) حضرت شیخ الہند نے مالٹا میں اسارت کے زمانے میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ اس ملک کو آزاد کرانے کے لئے مشترکہ جدوجہد کی جانی چاہیئے۔ چنانچہ واپسی پر ان کی رہنمائی میں پانسو علمائے ترکِ موالات کا فتویٰ دیا۔ اور اسی وقت جمعیۃ علمائے ہند کا قیام عمل میں آیا۔ (الجمعیۃ ۲۲ اپریل ۱۹۶۶ء صفحہ اول کالم ۶)

(۲۴) لیکن جمعیۃ علما کے نئے دور کا آغاز اور باضابطہ تشکیل حضرت مولانا محمود الحسن قدس اللہ سرہٗ اسیر مالٹا حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ وغیرہم کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی۔ سنڈے ایڈیشن ۲۴ اپریل ۱۹۶۶ء صفحہ ۸ کالم ۲)

منقولہ بالا چوبیس اقتباسات جو آپ کے سامنے ہیں۔ ان پر سنجیدگی سے غور فرمائیے۔ ان کا تضاد رفع فرمائیے۔ اور مندرجۂ ذیل تنقیحات کے جوابات مرحمت فرمائیے۔ آپ کا ہر لفظ تاریخی حوالے اور دستاویزی ثبوت کے ساتھ مستند ہونا چاہیئے۔ آپ وقت کی عدالت میں ایک شاہدِ عادل کی حیثیت سے کھڑے ہیں۔ اگر غیر ذمہ دارانہ طور پر بلا ثبوت افسانہ گوئی

کریں گے تو آنے والی نسلیں آپ کو ہرگز معاف نہیں کریں گی۔ تاریخی واقعات سیدھے سادے لفظوں اور سلیس عبارت میں بیان کیے جاتے ہیں۔ الفاظ کا گورکھ دھندا۔ طرز بیان میں ہیر پھیر اور ناجائز تاویلات تاریخ کی بارگاہ میں مقبول نہیں۔

یہ بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ حوالہ اور ثبوت میں مولانا عبید اللہ سندھی کی فلسفیانہ داستان گوئی قابلِ حجت نہیں ہے۔ نیز ان کے بعض مقلدین کی تصانیف بھی ساقط الاعتبار ہیں جنھوں نے خاص اپنے ذاتی جذبات ورجحانات کی ترجمانی کا نام تاریخ رکھا ہے۔ (بُرا نہ مانیئے گا یہ اکابر میرے بھی اکابر ہیں)

(۱) مذکورہ اقتباسات میں جمعیۃ علمائے ہند کے قیام کیلئے چند الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ تاسیس[۱]۔ قیام[۲]۔ تنظیم[۳]۔ باضابطہ قیام[۴]۔ تشکیل[۵]۔ جماعتی شکل میں تشکیل باضابطہ تشکیل ان الفاظ کی تشریح کیجیے ان کا باہمی فرق واضح کیجیے۔ اور پوری اخلاقی جرأت کے ساتھ اصل واقعات کا ذکر فرمایئے اور ہاتفِ غیبی کے ذریعے سے اُن مسافرانِ عدم کی آواز بھی سُنتے جایئے جن کی روحیں ہرگز آرزومند نہیں ہیں آپ کی یادآوری کی۔

باآں گروہ کہ غافل زیاد ما ہستند
سلام ما برسانید ہر کجا ہستند (بتصرف واقف)

(۲) تحریک کسے کہتے ہیں؟ اگر یہ انگریزی لفظ مومنٹ کا ترجمہ ہے تو یہ واضح کیجیے کہ یہ اصطلاح کب ایجاد ہوئی۔ اور کب سے ہندوستان میں اس کا استعمال شروع ہوا۔ اور کن معنوں میں استعمال ہوتا ہے؟

(۳) کیا "جمعیۃ علمائے ہند" کے نام سے کوئی آل انڈیا جماعت ۱۹۱۹ء سے پہلے موجود تھی۔ اگر تھی تو کہیں سے اس کا دستور العمل یا پاس شدہ تجاویز یا کوئی شائع شدہ

گوشوارۂ آمد و صرف یا اور کوئی نشانی دستیاب ہو سکتی ہے؟ نیز شاہ ولی اللہؒ کے کے وقت سے ۱۹ئہ تک تین دوروں میں کون کون اس کے صدر رہے؟ ناظم عمومی وغیرہ کون حضرات تھے؟ سالانہ کانفرنسیں اور ان کی صدارتیں؟ غرض کچھ تو بتائیے۔

(۴) اگر نہیں تھی تو فرمائیے جمعیۃ علمائے ھند کب اور کہاں قائم ہوئی؟ امرتسر کا جلسہ مشاورتی تھا یا عام؟ اور حضرت شیخ الہندؒ مالٹا سے واپس آچکے تھے یا نہیں؟ اور مولانا عبید اللہ سندھی اس کے قیام کے وقت کہاں تھے؟

(۵) کیا انگریزی عہد سے پہلے بھی سیاسی و عوامی جماعتیں بنائی جاتی تھیں؟ کیا علمائے امت کو بھی ایسی ہی سیاسی جماعتوں کی ضرورت پیش آیا کرتی تھی؟ دفتر قائم کیے جاتے تھے؟ سالانہ کانفرنسیں ہوتی تھیں؟ سند صحیح کے ساتھ نشاندہی کیجئے۔

(۶) کیا حضرت شاہ ولی اللہؒ سے لے کر حضرت شیخ الہندؒ تک تمام علمائے سلف کی عظمت ناقص رہے گی؟ جب تک کہ ایک سیاسی جماعت کو کھینچ تان کر کے ان کے ساتھ وابستہ نہ کر دیا جائے؟ اور ان کو اس کا بانی و موجد قرار نہ دیدیا جائے؟ کیا ان کی حقیقی خدمات کے اظہار کیلئے دعوت الی الحق اعلائے کلمۃ اللہ۔ جہاد فی اللہ کے الفاظ کافی نہیں ہیں؟ کیا اُن کے یہ مجاہدانہ کارنامے جو وظائفِ نبوت میں سے ہیں چھپے رہیں گے جب تک کہ اُن کا نام سیاسی تحریک نہ رکھا جائے؟

(۷) جمعیۃ علمائے ہند نے اپنے قیام کے وقت ۱۹ء میں مکمل آزادی کو اپنا نصب العین قرار دیا تھا؟ یا اجلاس ۱۲ء منعقدہ لاہور میں ہندوستان کی مکمل آزادی کی تجویز پاس کی؟

(۸) جمعیۃ علمائے ہند کے بانیوں میں چوبیس حضرات کے اسمائے گرامی لکھے گئے ہیں، شاید بھول ہوگئی۔ حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند۔ حضرت مولانا سید

محمد میاں صاحب شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی۔ حضرت مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہانپوری حضرت مولانا سید اسعد میاں صاحب مدنی۔ اور بھی بہت سے اسمائے گرامی اس فہرست میں درج ہونے سے رہ گئے۔

(۹) اقتباس نمبر ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۱۹ء سے جمعیۃ علمائے ہند کا چوتھا دور شروع ہوتا ہے۔ اور کتاب "جمعیۃ علما کیا ہے"، حصہ اول ص کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پانچواں دَور ہے۔ نیز اقتباس مذکورہ میں پہلا دور حضرت شاہ ولی اللہؒ سے شروع ہوتا ہے اور کتاب مذکور میں حضرت سید احمد شہید اور مولانا اسمٰعیل شہید سے۔

(۱۰) حضرت شیخ الہند کی اسارت مالٹا کا زمانہ پانچ سال ہے یا کچھ کم؟

(۱۱) اقتباس نمبر ۲۲ آخری پیغام کے حوالہ کی تحقیق کیجئے۔ اور وہ کس نے پڑھ کر سُنایا تھا؟

(۱۲) حضرت شیخ الہند اور اُن کے رفقا جس زمانے میں مالٹا میں نظر بند تھے کیا ان کو ہندوستان کے سیاسی مدوجزر کی خبریں پہنچتی رہتی تھیں کیا اُن کو وہاں یہ علم تھا کہ دہلی میں "جمعیۃ علمائے ہند" نام کی ایک سیاسی جماعت قائم ہوئی ہے۔ اور اس کا صدر اُن کے ایک شاگرد کو بنایا گیا ہے؟ تاریخی شواہد پیش کیجئے۔

مندرجہ بالا تنقیحات کا شافی جواب اگر آپ نے پوری مورخانہ دیانت و احتیاط کے ساتھ مرتب فرمایا تو انشاء اللہ صحیح نقشہ سامنے آجائے گا اور پھر مزید جرح قدح کی ضرورت نہیں رہے گی۔

اختصار کی کوشش کے باوجود عریضہ طویل ہو گیا مگر اس سے زیادہ اختصار ممکن

نہ تھا۔

براہ کرم میرا عریضہ تو من وعن اخبار الجمعیۃ میں اب شائع فرما دیجئے۔ اپنا جواب بعد میں شائع فرما دیجئے گا۔ اور اگر شائع کرنا منظور نہ ہو تو فوراً مطلع فرماکر ممنون فرمائیں۔ انتظار کی زحمت میں مبتلا نہ کریں۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ فقط والسلام

دعاگو۔ حفیظ الرحمان واصف

۳ رمئی ۱۹۶۶ء

مگر افسوس نہ تو میرا عریضہ اخبار الجمعیۃ میں شائع کرنے کے قابل سمجھا گیا نہ جواب کے قابل گردانا گیا۔ اور مجبوراً اخبار بیباک سہارنپور میں بھیجنا پڑا۔ (جو ۴ر جون ۱۹۶۶ء کے پرچے میں آچکا ہے) اگر میرے سوالات کے تحقیقی جوابات دینے کی زحمت گوارا فرمائی جاتی تو مجھے مزید کچھ لکھنے کی اور وہ باتیں کھولنے کی ضرورت پیش نہ آتی جن کو بہت افسوس کے ساتھ کھولنا پڑا۔ ذمہ دارانِ جمعیۃ کی اس بے اعتنائی کی وجہ سے چونکہ اصل معاملہ اُلجھا کا اُلجھا ہی رہا۔ اس لئے بعض احباب کے توجہ دلانے پر کچھ عرض کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ اُمید ہے کہ میری گستاخیوں پر ناراض ہونے سے پہلے اس معاملہ پر غور فرمایا جائے گا۔

تاریخی دستاویز

برعکس نہند نام زنگی کافور

۱۵ ر تا ۱۷ ر اپریل ۱۹۶۶ء کو جو جمعیۃ علمائے ہند کا بائیسواں سالانہ اجلاس گیا شہر میں منعقد ہوا اس کے پروپیگنڈے کے سلسلے میں ایک خاص نمبر نکالنے کا بھی کئی ہفتے پہلے سے اخبار الجمعیۃ میں اعلان کیا جا رہا تھا اور بتایا جا رہا تھا کہ یہ خاص نمبر ایک مکمل تاریخ

ہو گی۔ جمعیۃ علمائے ہند کی۔ ملاحظہ ہو اس کا شاندار اشتہار:۔

اجلاس عام کے موقع پر ——— جمعیۃ علما نمبر ——— جمعیۃ علمائے ہند کے متعلق ایک تاریخی دستاویز ——— آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد کی خدمات ——— ہندوستانی مسلمانوں کی رہنمائی اور کارنامے ——— اس نمبر میں پیش کئے جائیں گے ——— یہ نمبر گھروں میں بطور ریکارڈ محفوظ رہے گا ——— مشتہرین حضرات اس نادر موقع سے فائدہ اٹھائیں۔

(روزنامہ الجمعیۃ مورخہ ۵ اپریل ۱۹۶۶ء)

اس تاریخی دستاویز کا جمعیۃ علمائے ہند سے عقیدت رکھنے والوں کو سخت انتظار تھا اور وہ علمائے حق کی اس واحد مقتدر جماعت کے ذمودات اور انکشافات کو بطور ریکارڈ اپنے گھروں میں محفوظ رکھنے کے لئے بیتاب تھے۔ جس جماعت کی صداقت اور راستی و سنجیدگی کا ڈنکا تمام عالم اسلام میں بجتا رہا ہے لیکن افسوس جب وہ عظیم الشان تاریخی دستاویز سامنے آئی تو "خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا"۔ شروع سے آخر تک تضاد بیانی کا مرقع اور "دروغ گو را حافظہ نباشد" کا مصداق۔

ان امور کی طرف توجہ دلانے کے لئے میں نے عریضہ مذکورہ لکھا تھا اور وہ اب تک جواب کے قابل نہ سمجھا گیا۔ بلکہ اس خیال کا ثبوت بھی مہیا ہو گیا کہ تاریخ کو مسخ کرنے کی جو پالیسی طے کی جا چکی ہے اس میں سر مو فرق نہیں آئے گا۔ چنانچہ جمعیۃ علما ضلع مظفر نگر کی سہ روزہ کانفرنس منعقدہ ۲۱ تا ۲۳ جون ۱۹۶۶ء میں حضرت صدر جمعیۃ علمائے ہند مدظلہ اپنی افتتاحی تقریر میں فرماتے ہیں:۔

جمعیۃ علما شاہ ولی اللہؒ بلکہ اس سے پہلے سے کام کر رہی ہے۔ مختلف احوال کے

کے مطابق مختلف صورتوں میں جمعیۃ علما کام کرتی رہی ہے۔ جمعیۃ علما ہر زمانے کے مطابق آزادی کی جد و جہد کرتی رہی ہے لیکن اس کی موجودہ شکل میں اس کے موسس حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ (روزنامہ الجمعیۃ مورخہ ۲۵ جون ۱۹۶۶ء)

پھر ایک ماہ کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کی بڑی صاحبزادی کی خبر وفات شائع ہوئی۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"یہ خبر انتہائی رنج والم کے ساتھ سُنی جائیگی کہ حضرت شیخ الہند مولانا سید محمود الحسن صاحب بانی جمعیۃ علمائے ہند کی بڑی صاحبزادی تقریباً ستّر سال کی عمر میں دیوبند میں وفات پاگئیں۔"

(الجمعیۃ مورخہ ۳۰ جولائی ۶۶ء)

لیجئے یک نہ شد دو شد۔ شاید موجودہ ذمہ داران جمعیۃ کے خیال میں حضرت شیخ الہندؒ کی عظمت اب تک ناقص تھی۔

کون ذمہ دار ہے؟

میں حضرت صدر جمعیۃ علمائے ہند (مولانا سید فخر الدین احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) دامت برکاتہم کی منزلت و مقام سے واقف ہوں۔ ان کا سا علم و فضل، ورع و تقویٰ، فضائل و کمالات اور کہیں نظر نہیں آتے۔ حدیث اور علوم نبویہ میں وہ خود ہی اپنا نظیر ہیں۔ ان کے ارشادات اُمت کے لئے حجت اور ان کے فرمودات طالبین کے لئے نعمت ہیں۔ میں ان کی تعلیمی مصروفیت سے بھی خوب واقف ہوں۔ ایک ایسا بزرگ جو رات دن تعلیم و تدریس میں منہمک ہو۔ تقریر کرتے کرتے گلا بیٹھ جائے، ضعف طاری ہو جائے پھر بھی درس جاری رہے۔ ظاہر ہے کہ وہ سیاسی مشاغل کے لئے وقت نہیں نکال سکتا اور سیاسی کانفرنسوں کے خطبہ صدارت نہیں لکھ سکتا مجھے

خوب معلوم ہے کہ اجلاس گیا کا خطبۂ صدارت جو ایک پراچین بھارتی پیغمبر کی مدح وثنا سے شروع ہوتا ہے اور جس میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ جمعیۃ علمائے ہند کا سب سے پہلا اجلاس حضرت شیخ الہند کی صدارت میں ہوا تھا: یہ خطبۂ صدارت حضرت ممدوح کا لکھا ہوا نہیں ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ مظفر نگر کانفرنس میں جو کچھ فرمایا وہ ان کا ذاتی علم و تحقیق نہیں ہے، بلکہ پارٹی کی طے کردہ پالیسی ہے جو ان کو پڑھا دی گئی ہے اگر حضرت موصوف اپنا خطبہ خود اپنی ذاتی تحقیق سے تحریر فرماتے تو اپنے اسی خطبے میں سابق اجلاس گیا (بصدارت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن مہتمم) کو چوتھا نہیں بلکہ تیسرا اجلاس لکھتے اور جبکہ حضرت شیخ الہند کی صدارت میں پہلا اجلاس ہوا تو اس حساب سے موجودہ اجلاس گیا کو بائیسواں نہیں بلکہ اکیسواں قرار دیتے۔

یقیناً حضرت شیخ الحدیث کو اپنی اُس ذمہ داری کا احساس اور علم ہے جو ایک محدث اور امانت بردارِ علوم نبویہ ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اُن پر عائد ہوتی ہے۔ حاشا وکلا میں حضرت کے بارے میں ہرگز کوئی بدگمانی نہیں کر سکتا۔ ان کا مرتبہ ان سیاسی خرافات سے بلند تر ہے لیکن بہت اَدب سے ایک خوردانہ گزارش ضرور ہے کہ جو کچھ اُن کے نام سے شائع ہو اس کو پہلے ملاحظہ فرما لیا کریں۔ اور جو کچھ ارشاد فرمائیں اپنی ذاتی تحقیق کے بعد فرمایا کریں۔ ایک ایسی جماعت جو علمائے امت کے مختلف الخیال اور متباین المسلک عناصر کا مجموعہ اور گلہائے رنگا رنگ کا ایک گلدستہ ہو اس کے عظیم المرتبت صدر کو پارٹی فیلنگ سے بالاتر ہونا چاہیئے۔

اب میں اُن تنقیحات کی وضاحت کرتا ہوں جو میں نے اپنے عریضے میں قائم کی ہیں۔

جمعیۃ علمائے ہند کب بنائی گئی؟

"جمعیۃ علمائے ہند" جس جماعت کا نام ہے وہ ایک باضابطہ منظم جماعت ہے۔ اُس کی مُہر ہے،

دفتر ہے۔ رجسٹرہی یہ جماعت ۱۹۱۹ء میں بنائی گئی۔ اس سے پہلے اس نام کی کوئی جماعت ہندوستان میں موجود نہیں تھی۔ "جمعیۃ علمائے ہند" اس جماعت کا عَلَم ہے۔ اور عَلَم اقسام معرفہ میں سے قوی تر قسم ہے۔ اس لئے جب کبھی اور جہاں کہیں لفظ جمعیۃ علمائے ہند لکھا جائے گا یا بولا جائے گا اس کا مدلول یہی جماعت ہوگی۔ کوئی اور معنیٰ ہر گز مراد نہیں لیئے جاسکتے۔ اگر کسی شخص کا نام عاقل ہو اور وہ ایک بڑے مجمع میں موجود ہو اور کوئی پکارنے والا عاقل کہکر پکارے تو وہی شخص بولے گا جس کا نام عاقل ہے۔ حالانکہ عاقل سب ہیں۔ مجمع میں سے کوئی شخص مجنون نہیں لیکن عَلَمیت کی وجہ سے لفظ عاقل کا مدلول ایک ہی فرد ہے۔

جمعیۃ علمائے ہند کے وجود میں آنے سے پہلے اس قدر وسیع اور ہمہ گیر آل انڈیا جماعت ہندوستان کی تاریخ میں اور کسی نام سے بھی کبھی قائم نہیں ہوئی۔ پس جمعیۃ علمائے ہند کے لفظ سے لغوی یا صفتی معنیٰ مراد لینا اور یہ کہنا کہ ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علمائے ہند کا باضابطہ قیام ہوا یا باضابطہ تشکیل ہوئی یا جماعتی شکل میں تشکیل ہوئی۔ یہ سب لغو ہے۔ اس کے بنائے جانے کے لیے تاسیس و قیام اور بنانے والے کے لئے مؤسس و بانی کے الفاظ ہی بہترین الفاظ ہیں جو اپنے مفہوم کے لحاظ سے جمعیۃ کے آغاز پر مکمل طور سے صادق آتے ہیں۔

باضابطہ قیام، جماعتی شکل میں تشکیل، باضابطہ تشکیل تنظیم وغیرہ الفاظ کا استعمال نتیجہ ہے اُس غلط تصور کا جو اس باب میں ہمارے بعض اکابر نے قائم کیا ہے اور اُسی تصور کے اوپر ایک طویل من گھڑت فلسفیانہ تاریخ مرتب کی گئی ہے۔ اور اُسی کی بنیاد پہ خالص تعلیمی اداروں (مثلاً دارالعلوم دیوبند) کے قیام و تاسیس کو بھی سیاسی مقاصد کے زمرے میں کھینچ کھانچ کر شامل کر لیا گیا ہے اور اس کے معمولی جلسۂ دستار بندی (کانووکیشن) کو بھی سیاسی کانفرنس قرار دیا گیا ہے، وغیرہ۔

مولانا سید محمد میاں صاحب کی خالص سیاسی کتاب "شاندار ماضی جلد پنجم" کا عنوان ہے "تحریک دارالعلوم دیوبند" اور کتاب میں دکھایا گیا ہے کہ دارالعلوم دیوبند بھی ایک سیاسی تحریک تھی۔ جلسۂ دستار بندی منعقدہ ۱۳۲۸ھ بھی سیاسی جلسہ تھا۔ اور جمعیۃ الانصار بھی جدوجہد آزادی کے لئے ایک سیاسی تحریک تھی۔ اس قسم کے غلط تصورات میں اور حضرات بھی مبتلا ہو گئے اور بعض اہلِ قلم نے بھی اپنے افکار و خیالات کو اسی راہ پر ڈال دیا۔

تحریک کیا چیز ہے؟

تحریک ترجمہ ہے انگریزی لفظ موومنٹ کا۔ لفظ موومنٹ ہندوستان میں اس وقت استعمال ہوا جب یہاں انگریزوں کے خلاف سازشیں، بغاوتیں شروع ہوئیں۔ سلطنت مغلیہ کے زوال سے پہلے ہندوستان کی تاریخ اور لٹریچر میں لفظ موومنٹ یا لفظ تحریک کہیں نہیں ملتا۔ آکسفورڈ ڈکشنری حصہ اول مطبوعہ ۱۹۰۸ء۔ ایضاً مطبوعہ ۱۹۶۲ء۔ چیمبرس بیسویں صدی ڈکشنری مطبوعہ ۱۹۵۶ء۔ ویبسٹرس تھرڈ نیو انٹرنیشنل ڈکشنری مطبوعہ ۱۹۵۹ء۔ اور انگریزی کی دوسری ڈکشنریوں میں لفظ موومنٹ کی تشریح اور مفصل تاریخ موجود ہے۔ خلاصہ ان تشریحات کا یہ ہے:۔

"کسی خاص مقصد کیلئے اشخاص کی اجتماعی طور پر مشترکہ جدوجہد، جذبہ، جوش، تشویق، ہیجان، عام رجحان۔ جماعت کا عمل خواہ منظم ہو یا اتفاقی اور غیر منظم حالات کی رفتار کی وجہ سے ہو یا قدرتی رجحانات کی وجہ سے۔ مشین کے تمام پرزوں کا اجتماعی طور پر بیک وقت حرکت میں آجانا۔ ساز میں تمام سُروں کا ساتھ ساتھ چلنا" وغیرہ غرضیکہ پندرہ سولہ معانی ہیں۔ اور سب میں جماعت کا مفہوم شامل ہے اور عوامی سیاسی تحریکات کے لئے اس لفظ کا استعمال

یورپ میں ۱۸۸۵ء میں شروع ہوا۔ ہندوستان میں اس لفظ کا ترجمہ تحریک کیا گیا جو ۱۹۲۲ء میں اخبارات میں استعمال ہوا۔ اور عوام میں رائج ہوا۔

نفسیاتِ اجتماع کی رو سے تحریک کا مفہوم یہ ہے:۔

"عوام کے جذبات کا بھڑک جانا کسی لیڈر کے اشارے سے یا خود بخود کسی حادثے سے یا سخت قابلِ نفرت حالات کے پیش آتے رہنے سے۔ جماعت مشتعل ہونے کے بعد قوت متسلطہ کے مقابل آجاتی ہے اور متصادم ہوتی ہے۔ جماعت کے عمل میں جذبات غالب اور عقل مغلوب ہوتی ہے اور اسی وجہ سے اس کا رجحان تخریب کی طرف ہوتا ہے۔ تحریک میں عوام کا سعی و عمل عوام کے اپنے طبعی جذبات کا نتیجہ ہوتا ہے اور اس میں کارفرمائی زیادہ تر جذبہ انتقام کی ہوتی ہے۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں وہ اپنی خواہش اور رغبت سے کرتے ہیں۔ اگر ان کا عمل ان کے جذبات و خواہشات کے مطابق نہ ہو تو وہ عمل کی طرف راغب اور قوت متسلطہ سے متصادم نہیں ہو سکتے۔ عوامی تحریک میں مقصد کی تعیین بھی عوام خود ہی کر لیتے ہیں اور بعض مرتبہ مقصد متعین ہوتا بھی نہیں ہے اور جماعت کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ ان کا لیڈر بھی انھیں کا ہم خیال اور انھیں میں سے ایک فرد ہوتا ہے اور اس کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ اپنے زورِ خطابت سے جماعت کے جذبات کو شدت کے ساتھ ابھارتا رہے اور ساتھ ہی ساتھ کنٹرول بھی رکھے۔ (مزید تفصیل کے لئے روح الاجتماع وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے۔)

یہ تو ہوئی سیاسی تحریک کی تشریح۔ اس کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ پیغمبر (اور ریفارمر) کا طریقۂ کار آیا یہی ہے؟ یا اس سے کچھ مختلف؟

پیغمبر آتا ہے (یا ریفارمر اٹھتا ہے) تو پہلے سے ایک متعین مقصد لیکر آتا ہے۔ وہ عوام کے جذبات کو ابھارتا نہیں بلکہ ٹھیس پہنچاتا ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے عوام کی خواہشات اور

پسند کے خلاف کہتا ہے اور عوام خود اسی کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ ان کو جس چیز کی طرف بلاتا ہے وہ عوام کو اس قدر ناگوار ہوتی ہے کہ وہ اس داعی کو گالیاں دینے اور پتھر مارنے اور قتل کر دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ وہ ان کو جن چیزوں کے چھوڑنے کی تلقین کرتا ہے وہ اس کو کسی طرح چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے اور کہتے ہیں کہ کیا ہم اُن کاموں کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں۔ پیغمبر کو کسی مددگار یا رفیق کی خواہش اور پرواہ نہیں ہوتی۔ وہ عوام کے جذبات سے کام لینے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ خود عوام سے ٹکر لیتا ہے۔ اور اس کے ٹکر لینے کی صورت کچھ ایسی ہوتی ہے جیسے ہوا برف کی سخت چٹان سے ٹکراتی ہے اگرچہ برف کی چٹان کو ہلا نہیں سکتی مگر اس کی لطیف و نرم موجیں برف کو پگھلاتی رہتی ہیں عوام کے جوشِ انتقام، غیظ و غضب اور ظلم و ستم کے جواب میں وہ یہ کہتا ہے اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔ اور کامل غلبہ و تسلّط، قوت و اقتدار اور جاہ و جلال حاصل ہونے کے بعد اعلان کرتا ہے: لا تثریب علیکم الیوم۔ پیغمبر کامیاب ہوتا ہے اُس وقت جبکہ عوام کے جذبات مغلوب ہوں اور عقل غالب۔ پیغمبر کی جماعت کا رجحان اور مزاج تخریبی و انتقامی نہیں تعمیری ہوتا ہے۔

دعوت اور تحریک میں کیا فرق ہے؟

دعوت اور تحریک کا آپس میں ایک دوسرے سے کوئی تعلق اور نسبت نہیں۔ یہ دو متبائن اور متضاد حقیقتیں ہیں۔ قوم یا جماعت کے اُن خیالات کو بدلنا جو صدیوں سے ان کے دلوں میں راسخ ہو کر عقیدہ بن جاتے ہیں آسان کام نہیں ہے۔ یہ زحمت سیاسی لیڈر کو برداشت نہیں کرنی پڑتی۔ لیڈر تو عوام کے خیالات و جذبات کا ترجمان ہوتا ہے۔

ہم نے لفظ پیغمبر استعمال کیا ہے اور چونکہ علمائے امت نائبانِ رسول اور پیغمبروں کے کام کو لیکر چلنے والے ہیں اس لئے وہ بھی اسی زمرے میں شامل ہیں۔ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ اب ہم بجائے لفظ پیغمبر کے علما کا لفظ استعمال کریں گے۔

ان تشریحات کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ علمائے امت نے دین کی بقا کے لئے جو کام کیئے اور فریضۂ دعوت و بلاغ کو جن طریقوں سے انجام دیا ان کو تحریک کہنا ان کے کارناموں کی ایک گھناؤنی تعبیر ہے اور اُن کی قدر و منزلت کو گھٹانا اور اصلی مقام سے نیچے گرانا ہے۔ اور نہ صرف تحریک کہنا بلکہ سیاسی تحریک کہنا اور بھی زیادہ نازیبا ہے۔ اس قسم کی غلط تعبیرات نے حضرت شاہ ولی اللہ سے لیکر حضرت شیخ الہندؒ تک تمام علمائے امت کو سیاسی لیڈر اور ان کی خالص علمی و دینی اور اصلاحی کتابوں کو سیاسی کتابیں اور ان کی درسگاہوں کو سیاسی دفاتر بنا کر رکھ دیا۔ ایسی فلسفیانہ داستانوں کو پڑھ کر ایک عام آدمی کے ذہن میں یہ تصوّر قائم ہوتا ہے کہ یہ تمام علمائے امت محض سیاسی لیڈر تھے۔ اپنی درسگاہوں میں بیٹھے سیاست لڑاتے اور سیاسی پارٹیاں بناتے رہتے تھے۔ اور انھوں نے دارالعلوم دیوبند کو بھی سیاسی مقصد کے لئے قائم کیا تھا۔ حالانکہ اُن حضرات کو کسی قسم کی جماعتیں، انجمنیں اور سیاسی پارٹیاں بنانے اور کانفرنسیں منعقد کرنے کا ہرگز شوق نہیں تھا۔ تعجب ہے کہ ہمارے ان مورخین نے دارالعلوم دیوبند کو سیاسی بنا کر دکھا دیا۔ لیکن مدرسہ شاہی مرادآباد، مدرسہ امینیہ دہلی، ندوۃ العلما لکھنؤ اور دوسرے بہت سے تعلیمی ادارے جن کے متعلقین و اکابر نے بڑی بڑی سیاسی خدمات انجام دیں وہ ان کی نظرِ عنایت سے محروم رہ گئے۔

کیا جمعیۃ علمائے ہند مختلف زمانوں میں منقسم ہے؟

یہ ایک تصنیف کیا ہوا تصوّر ہے جو ایک خاص قسم کی ذہنیت کی پیداوار ہے اور جس کیلئے

نہ کوئی تاریخی حوالہ ہے نہ کوئی دستاویزی ثبوت کہ جمعیۃ علمائے ہند حضرت شاہ ولی اللہ رح کے زمانے میں قائم ہوئی تھی اور اس کے چار یا پانچ دور ہیں۔ اس قسم کے اور بھی بہت سے مفروضے قائم کیے جا سکتے ہیں اور ایک نئی فلسفیانہ داستان تصنیف کر کے اس کا نام سیاسی تاریخ رکھا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی یوں کہے تو ہمارے یہ مورخین ناراض تو نہیں ہوں گے ؟ کہ:-

آل انڈیا خلافت کمیٹی کے پانچ دور ہیں۔ پہلا دور خلافتِ راشدہ۔ دوسرا دور خلافت بنی امیہ۔ تیسرا دور خلافت عباسیہ۔ چوتھا دور خلافتِ عثمانیہ۔ پانچواں دور آل انڈیا خلافت کمیٹی (سلطان عبدالمجید خاں کو جب کمال پارٹی نے معزول کیا تھا تو انھوں نے خلافت کو ہندوستان روانہ کر دیا تھا)

اور اگر کوئی یوں کہے کہ آل انڈیا نیشنل کانگریس کمیٹی کے اصل موسس حضرت آدم علیہ السلام ہیں جبکہ وہ سراندیپ سے بیل پر سوار ہو کر ہندوستان تشریف لائے تھے۔ پھر اس میں دو گروپ ہو جانے کی وجہ سے پھوٹ پڑ گئی اور جماعت ختم ہو گئی۔ پھر اس کی نشاۃ ثانیہ سامری کے زمانے میں ہوئی۔ اس کے مرنے کے بعد وہ یوروپ و امریکہ کے ملکوں میں بے یار و مددگار پھرتی رہی۔ پھر اس کو مسٹر اے او ہیوم انگلستان سے ہندوستان میں لے آئے۔

اور اگر کوئی یوں کہے کہ۔ اگرچہ علما نے ہر دور میں تعلیمی خدمات انجام دیں اور درسگاہیں قائم کیں۔ دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی مراد آباد بھی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں لیکن موجودہ شکل میں دارالعلوم کے موسس حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی ہیں اور مدرسہ شاہی کے موسس حضرت مولانا فخرالدین صاحب ہیں۔ تو کیا آپ اس تاریخی اکتشاف کی تصدیق کریں گے ؟"

اور جمعیۃ علمائے ہند کو حضرت شاہ ولی اللہ تک ہی کیوں محدود رکھا جائے۔ اگر

یہ کہا جائے کہ آل انڈیا جمعیۃ علمائے ہند حضرت شیخ طاہر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے بنا کر بھیجی تھی تو کیا حرج ہے؟ مگر مؤرخانہ دیانت کہاں تک اس قسم کے افسانوں کی اجازت دے سکتی ہے۔؟

دعوت و بلاغ کے طریقے

فریضۂ دعوت کو ادا کرنے کے بہت سے طریقے ہیں۔ مثلاً وعظ و تبلیغ۔ ارشاد و ہدایت۔ تعلیم و تدریس۔ افتاء۔ تصنیف و تالیف وغیرہ علماء نے ہر دور میں اپنے اس فریضے کو مختلف طریقوں سے ادا کیا ہے۔ یہ ایک ایسا فریضہ ہے جو کسی خاص وقت یا زمانے یا حالات کے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔ سیاسی حالات کچھ بھی ہوں۔ اسلامی حکومت ہو یا غیر اسلامی۔ زوال کا زمانہ ہو یا ترقی کا۔ محکومیت ہو یا فرماں روائی ہر حال میں یہ فریضہ امت کے اوپر عائد ہوتا ہے اور علمائے امت کبھی اس سے غافل نہیں رہے ہے۔ اسی احساس فرض کی بنا پر حضرت شاہ ولی اللہؒ کے والد ماجد نے مدرسہ رحیمیہ جاری کیا۔ شاہ صاحب اور ان کے فرزند شاہ عبدالعزیزؒ اس میں تعلیم و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔ پھر اورنگ زیب کے پڑپوتے محمد شاہ نے شاہجہاں آباد دہلی میں شاہ عبدالعزیزؒ کو ایک وسیع مکان مرحمت فرما کر پرانی دلی سے بلا لیا۔ وہ مدرسہ شاہ عبدالعزیزؒ کے نام سے مشہور رہا۔ شاہ صاحب نے اپنی زندگی میں اپنے نواسوں حضرت شاہ محمد اسحاقؒ اور حضرت شاہ محمد یعقوبؒ کو علیحدہ ایک مکان خرید کر عطا فرما دیا تھا۔ یہ تعلیم و تدریس کا سلسلہ وہاں جاری رہا اور وہ مدرسہ شاہ محمد اسحٰق کے نام سے مشہور ہوا۔ اُن سے حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددیؒ نے اور ان سے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے

پڑھا اور اپنے فریضے کو ادا کرنے کے لئے دیوبند کے ایک چھوٹے سے مدرسے میں جا پہنچے جو پہلے سے مسجد چھتہ میں جاری تھا۔

دارالعلوم دیوبند اور سیاست ملکی

مدرسہ دیوبند کے قائم کرنے والوں کا مقصد کوئی سیاسی مقصد نہ تھا۔ بلکہ برخلاف اس کے ادارہ کی طرف سے ہمیشہ اور متواتر اعلان ہوتا رہا کہ یہ خالص مذہبی اور تعلیمی ادارہ ہے۔ ملکی معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم دیوبند کا جو عظیم الشان جلسۂ دستار بندی منعقد ہوا تھا اس کی ضرورت اور فوائد کا تذکرہ کرتے ہوئے شمس العلماء مولانا حافظ محمد احمد صاحب اپنے خطبۂ صدارت میں فرماتے ہیں:۔

انعقاد جلسۂ دستار بندی میں ادھر تو یہ فائدہ کہ اہل دستار کی لیاقت اور مسلمانوں پر ان کی قابلیت کا اظہار ہو جائے۔ دوسرے طلبہ کو ترغیب و تحریص ہو اور بڑا فائدہ یہ کہ مسلمان اپنی اعانت کے عملی نتائج کو دیکھ کر مطمئن اور امداد مدرسہ میں زیادہ کوشاں ہوں۔

(مدرسہ اسلامی عربی دیوبند کا زریں ماضی اور مستقبل صفحہ ۲۷)

اسی میں صفحہ ۱۹ پر فرماتے ہیں:۔

" ہم پختہ مسلمان ہو کر امن و رفاہ عام کے ذمہ دار بن سکتے ہیں اور گورنمنٹ کے ساتھ وفاداری اور جاں نثاری کر سکتے ہیں۔ ہم کو شریعت نے ہرگز یہ تعلیم نہیں دی کہ ہم غدر و بیوفائی، نقض امن کریں۔"

صفحہ ۲۵ پر فرماتے ہیں:۔

مدرسہ دیوبند کے قیام سے پہلے مسلمانوں کو مدارس قائم کرنے، چندہ وصول

کرنے، روئدادوں کے شائع کرنے، مسلمانوں کو جمع کرکے عملی نتائج دکھلانے کا طریقہ معلوم نہ تھا۔ مسلمان اپنی اسی سابقہ عظمت اور تفوق کے غرہ میں تھے۔ حالانکہ ان کے اندر گھن لگنا شروع ہوگیا تھا۔ وہ زمانہ آہی گیا تھا کہ پرانے علما اٹھ جاتے اور درس و تدریس کا سلسلہ گم ہو جاتا۔ بانیانِ مدرسہ کی فراستِ ایمانی نے اس آنے والی حالت کا ادراک اور اندازہ کرکے فوراً اس مدرسے کی بنیاد محض چندہ اور وہ بھی دیوبند جیسی گمنام اور غریب بستی کے چندہ سے ڈال دی۔"

کیا جمعیۃ الانصار سیاسی جماعت تھی؟

آپ نے دیکھا کہ یہ اکابر اپنی دینی درسگاہ کو کس طرح ملکی و سیاسی معاملات سے بچاتے ہوئے لیکر چل رہے تھے۔ یہ مدرسہ ایک گمنام مقام پر قائم ہوا تھا۔ اس کو متعارف کرانے اور مسلمانوں کو اس کی مالی اعانت کی طرف توجہ دلانے کے لئے ایک منظم جدوجہد کی ضرورت تھی۔ کیونکہ سلطنت اسلامیہ کے زوال کی وجہ سے دینی اداروں کو چلانے کی ذمہ داری مسلم عوام پر ہی تھی۔ اس مقصد کے لئے پہلے ایک انجمن ثمرۃ التربیت قائم کی گئی۔ اس کا نام ہی بتاتا ہے کہ یہ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے طرز کی کوئی انجمن ہوگی۔ اور اس کے ختم ہوجانے کی وجہ سے جمعیۃ الانصار قائم کی گئی۔ اس انجمن کے قیام کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ مدرسہ کی تعلیمی خدمات کو مسلم عوام میں پیش کرکے مالی اعانت کی طرف توجہ کیا جائے۔ مولانا عبیداللہ سندھی اسکے ناظم اعلیٰ تھے۔ اس کے اغراض و مقاصد خود ہی واضح فرماتے ہیں:۔

"جمعیۃ الانصار مدرسہ عربی دیوبند کے فارغ التحصیل طلبہ کی اس مددگار جماعت کا نام ہے جو مخصوص شرائط کی پابند ہوکر مدرسے کی ہمدردی میں ہر طرح پر حصہ لے یا بالفاظ دیگر سرپرستانِ مدرسہ دیوبند کے دست و بازو بن کر کام کرے۔ اس جمعیۃ کی غرض مدرسے کے مقاصد کی

تائید وحمایت اور اس کے پاک اثر کی ترویج واشاعت ہے۔ ملکی معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس جماعت کے ارکان مدرسہ عالیہ دیوبند کے سابق تعلیم یافتہ حضرات ہیں جن میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ مدرسے کی تعلیمی انتظامی اور مالی ترقی میں انتہائی کوشش کرے۔"

(ماہنامہ القاسم دیوبند جلد ۱ شمارہ ۹)

پھر اس کے اجلاس مراد آباد منعقدہ ۱۵ تا ۱۷ اپریل ۱۹۱۱ء کی پانچویں نشست میں جو سات خالص دینی و تعلیمی تجاویز پاس ہوئیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے:۔

"ایسے چھوٹے چھوٹے رسائل بکثرت شائع کرنا جن میں عقائد اسلام کی تعلیم، فرقہ آریہ کے جوابات اور وفاداری گورنمنٹ کی ہدایات ہوں۔" (القاسم جلد اول نمبر ۹)

مؤتمر الانصار کا دوسرا اجلاس میرٹھ میں ۶، ۷، ۸ اپریل ۱۹۱۲ء جمعیۃ الانصار اہل علم وصلاح کی وہ جماعت ہے جس نے دار العلوم دیوبند کی تکمیل کے ضمن میں مسلمانوں کی مذہبی ضروریات پورا کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ الانصار نے اپنے مقصد کی تکمیل کے ذرائع و وسائل میں مشورہ لینے اور مسلمانوں کے مذہبی مقتداؤں کے اتفاق سے مذہبی تعلیم کا راستہ معین کرنے کے لئے ایک سالانہ جلسہ قرار دیا ہے۔ (القاسم جلد دوم شمارہ ۸ ص ۲۴)

دار العلوم دیوبند کا ذکر لندن میں

بجواب ایک سوال کے جو لفٹننٹ کرنل جیمس نے دار العوام میں کیا مسٹر مانٹیگو وزیر ہند نے فرمایا:۔

جب سے کہ حجاز گورنمنٹ نے دار العلوم دیوبند کے علامہ کو گرفتار کیا تھا جو مالٹا میں نظر بند کئے گئے تھے اس وقت سے اور جب تک کہ وہ مالٹا سے روانہ ہوئے۔ مدرسہ

عربی دیوبند کی کوئی باغیانہ تبلیغ کی شکایت جہاں تک انھیں علم ہے نہیں ہوئی۔ اور اس لئے اس تجویز پر عمل کرنے کی کہ مدرسۂ موصوف کو بند کر دیا جائے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔"

(القاسم جلد ۱۱ نمبر ۱)

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب فرماتے ہیں:۔

غالباً ۱۳۲۵ھ یا ۱۳۲۶ھ میں ایک ایسے مجمع میں جس میں دارالعلوم کی علمی ترقی پر غور و خوض ہو رہا تھا۔ حضرت حافظ احمد صاحب مرحوم نے حضرت شیخ الہندؒ سے کہا کہ اگر مولوی انور شاہ کشمیری، مولوی عبید اللہ سندھی، مولوی مرتضیٰ حسن چاندپوری، مولوی سہول بھاگلپوری، مولوی عبدالصمد کرتپوری اور حسین احمد یہاں آکر جمع ہو جاتے تو دارالعلوم کی علمی ترقی بڑے اعلیٰ پیمانے پر پہنچ جاتی۔ اس زمانے میں حضرت مولانا انور شاہ دہلی چھوڑ کر کشمیر میں اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ مولانا عبید اللہ عرصے سے سندھ ہی میں مقیم تھے۔ دیوبند کی آمد و رفت بھی عرصے سے منقطع تھی۔ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب دربھنگہ میں مدرس اوّل اور بہت بڑے صاحب نفوذ تھے۔ مولانا محمد سہول صاحب مدرسہ عالیہ کلکتہ میں بڑی تنخواہ پر ملازم تھے۔ مولانا عبدالصمد صاحب مدرسہ رحمانیہ رڑکی میں مدرس اوّل تھے۔ حضرت شیخ الہند کو یہ بات پسند آئی اور اگرچہ بظاہر سکوت کیا مگر خدا جانے کیا باطنی تصرف کیا کہ یہ سب اشخاص بغیر کسی ظاہری جد و جہد اور خط و کتابت کے یکے بعد دیگرے دیوبند پہنچ گئے۔ ممکن ہے کہ بعض بعض اشخاص سے کچھ ظاہری جد و جہد کی نوبت آئی ہو۔ مگر اکثروں کو کسی قسم کی خط و کتابت اور طلب و فہمائش کی نوبت نہیں آئی۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اجتماع حضرت شیخ الہند کے باطنی تصرف سے واقع ہوا تھا۔ اس وقت مولانا عبید اللہ کا تشریف لانا کسی سیاسی اور پولیٹیکل جذبے کے ماتحت بالکل نہیں تھا۔ بلکہ ان کا نصب العین دارالعلوم

کو ترقی دینا اور تمام ملک میں اس کی ساکھ کا قائم ہو جانا، طلبائے قدیم (جو کہ دارالعلوم سے فارغ ہو چکے ہیں) ان میں یک جہتی اور مکمل تنظیم اور دارالعلوم کی ہر قسم کی بہبودی اور ترقی اعلیٰ پیمانے پر قائم ہو جائے۔ یہی امور ان کے پیش نظر تھے اور اسی نصب العین کے ماتحت انہوں نے جمعیۃ الانصار وغیرہ حسب ارشاد حضرت شیخ الہندؒ قائم کی تھی۔" (نقش حیات جلد اول ص۱۲۱)

عیب را ہنر باید

مذکورۂ بالا اقتباسات معدودے چند ہیں ان بے شمار دلائل و شواہد میں سے جن سے یہ امر بغیر کسی ابہام اور بغیر کسی پس منظر کے ثابت ہے کہ دارالعلوم دیوبند نہ تو خود کسی سیاسی مقصد کو لے کر چلا تھا نہ اس کا جلسۂ دستار بندی کوئی سیاسی کانفرنس تھی۔ نہ جمعیۃ الانصار کوئی سیاسی جماعت تھی۔ پھر جمعیۃ علمائے ہند کو ان جماعتوں کی نشأۃ ثانیہ قرار دینا اور یہاں سے لیکر شاہ ولی اللہ تک ایک مربوط سلسلہ سیاسی جدوجہد کا قائم کرنا کہاں تک درست ہے؟

مولانا محمد میاں صاحب (سابق ناظم جمعیۃ علمائے ہند) اپنی سیاسی تصنیف میں دارالعلوم دیوبند کو سیاسی تحریکات کے سلسلے کی ایک کڑی قرار دیتے ہوئے اور اس کو ریشمی رومال کی خفیہ تحریک کا مرکز بتاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

۱۹۰۵ء اور ۱۹۰۶ء کا ہنگامہ خیز دور جس میں بقول سر ونیزل اٹینس لفٹنٹ گورنر پنجاب ہر جگہ لوگ کسی تبدیلی کے متوقع تھے۔ ان کے دماغوں میں نئی ہوا بھری ہوئی تھی۔ وہ منتظر تھے کہ اس تحریک کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ حضرت شیخ اور آپ کی جماعت کے لئے ایک حیات بخش دور تھا۔ جس کی تمہید خفیہ طور پر تقریباً تیس سال پیشتر سے کی جا چکی تھی۔

چنانچہ رمضان ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں اس کو منظرِ عام پر لانے کا تہیہ کیا گیا جمعیۃ الانصار کے نام سے ایک ہمہ گیر نظام کا خاکہ مرتب کیا گیا۔ جس کی مقبولیت بھی اسی طرح ہمہ گیر ہوئی۔

دار العلوم کا جلسۂ دستار بندی۔ اس نظام کو عام ذہنوں تک پہنچانے کے لئے مناسب سمجھا گیا کہ سب سے پہلے خالص مذہبی پیرایہ میں اس کا ظہور ہو۔ جو اس وقت کی سیاست کے لحاظ سے نہایت ہی مبصرانہ اقدام تھا۔ چنانچہ ۱۳۲۸ھ میں ایک عظیم الشان جلسہ کیا گیا۔ جس میں ہندوستان کے اطراف و اکناف سے تقریباً تیس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی۔"

(علمائے حق حصہ اوّل صٓ ۱۳۰)

اس کے بعد مؤرخ علام مؤتمر الانصار کے سب سے پہلے جلسے منعقدہ اپریل ۱۹۱۱ء کا ذکر فرماتے ہیں:۔

"اس جلسے کے صدر حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہوی قدس سرہٗ تھے۔ آپ نے اپنی تقریر میں فرمایا تھا: بعض نئی روشنی کے شیدائی کہتے ہیں کہ جمعیۃ الانصار اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کی نقل ہے لیکن یہ بات ہرگز صحیح نہیں۔ جمعیۃ الانصار کی تحریک غالباً اب سے تیس برس پہلے شروع ہو گئی تھی اور اس تحریک کے بانی مدرسۂ عالیہ کے وہ طالب علم تھے جو آج علوم کے سرچشمہ اور آفتابِ فنون ہیں اور جن کی ذاتِ بابرکات پر آج زمانہ جس قدر ناز کرے بجا ہے لیکن یہ تحریک اُس وقت ضروریاتِ زمانہ سے متعلق نہ تھی اس لئے ترک ہو گئی اور آخر اس کلیہ کی بنا پر کہ ضرورت ہر چیز کو خود بخود پیدا کر لیتی ہے۔ ۱۳۲۷ھ سے اس انجمن کو دوبارہ زندہ کر کے جمعیۃ الانصار نام رکھا گیا۔ جمعیۃ الانصار ہرگز کسی انجمن کی نقل نہیں ہے۔ اور نہ کسی کے ذاتی مقاصد سے بحیثیت دنیاوی اس کا تعلق ہے بلکہ اس کے مقاصد وہ ضروری مقاصد ہیں جن کی آج بہت کچھ ضرورت ہے۔" (علمائے حق حصہ اوّل صٓ ۱۳۲)

اس پر مورخ علام کا ریمارک ملاحظہ ہو:۔

"الفاظ کی جامعیت خاص طور پر قابل لحاظ ہے۔ یہی ہیں وہ علما جن کو کہا جاتا ہے سیاست کیا جانیں۔" (علمائے حق)

سبحان اللہ! کیا بات پیدا کی ہے! گویا مولانا احمد حسنؒ کے ان چند الفاظ میں خفیہ تحریک اپنے پورے ہمہ گیر نظام کے ساتھ پوشیدہ ہے۔ حالانکہ مولانا موصوف کی افتتاحی تقریر کا ایک ایک لفظ بالکل واضح اور صاف ہے۔ اُن کی تقریر میں کوئی فلسفہ نہیں ہے اور اگر کوئی فلسفہ ہے تو وہ یہ ہے کہ مولانا احمد حسنؒ صاف اعلان فرما رہے ہیں کہ جمعیۃ الانصار کے اغراض و مقاصد اور اس کا خالص علمی، تعلیمی، اصلاحی اور دینی لائحہ عمل بالکل واضح طور پر شائع ہو چکا ہے۔ یہ جماعت نہ تو کوئی پوشیدہ تنظیم ہے نہ کسی کے ذاتی دنیاوی مقاصد اور سیاسی جدو جہد سے اس کا کوئی تعلق ہے اور اگر کوئی خفیہ جدو جہد ہے تو ادارہ یا انجمن اس کی ذمہ دار نہیں۔ مولانا موصوف کی افتتاحی تقریر کا ابتدائی حصہ شاید مورخ علام کی نظر سے رہ گیا۔

مولانا عبید اللہ سندھی اس جلسے کی رپورٹ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

حضرت مولانا احمد حسن صاحب قبلہ امروہی صدر جلسہ نے اپنی افتتاحی تقریر کا خطبہ عربی زبان میں جو نہایت فصیح و بلیغ تھا پڑھا۔ لیکن مولانا نے بوجہ تکان سفر وغیرہ کے پوری تقریر بجائے خود سنانے کے عبید اللہ ناظم جمعیۃ الانصار دیوبند کو مرحمت کر کے سنانے کی اجازت دی۔ بندہ ناظم نے باقی ماندہ تقریر بڑی خوشی سے پڑھی۔ اس تقریر میں مولانا احمد حسن صاحب نے دار العلوم دیوبند کے قیام اور حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ کے دلچسپ حالات بیان کیے اور مدرسہ دیوبند اور جمعیۃ الانصار کے قیام کے متعلق بہت سے اکابر علما کی آراء کا اقتباس دیا گیا تھا۔ جو گویا اس بات کا ثبوت تھا کہ بانیؒ کا خیال بناء و قیام

مدرسہ سے مسلمانوں کی دینی و مذہبی تعلیم کو معراجِ ترقی پر پہنچانے کی کوشش سے متعلق تھا۔ جو خدا کے فضل و کرم سے آج عملاً کر کے دکھا دیا گیا ہے۔" (القاسم جلد اول، شمارہ ۹، ۷)

علمائے حق کے مؤرخ علام آگے چل کر جلسۂ مؤتمر الانصار کی کامیابی کا ذکر فرماتے ہیں:۔

"جلسہ انتہائی کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔ مگر اس نے انگریزوں کو چونکا دیا۔"

(علمائے حق حصہ اول ص ۱۳۴)

یہ کیونکر معلوم ہوا کہ اُس جلسے نے انگریزوں کو چونکا دیا؟ اس کا کوئی ثبوت اور حوالہ؟ اور انگریز تو مسلمانوں کے ذرّہ ذرّے سے بھی چونکتے تھے!

آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"اس موقع پر حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کے بیان کے چند فقرے حضرت شیخ الہند رح کے کارناموں کے نشان بتاتے ہیں۔ ۱۳۲۷ھ میں حضرت شیخ الہند نے مجھے دیوبند طلب فرمایا اور مفصل حالات سُن کر دیوبند رہ کر کام کرنے کے لیے حکم دیا۔ چار سال تک جمعیۃ الانصار میں کام کرتا رہا۔ اس تحریک کی تاسیس میں مولانا محمد صادق صاحب سندھی اور مولانا ابو محمد صاحب لاہوری اور عزیزی مولوی احمد علی میرے ساتھ شریک تھے۔ پھر حضرت شیخ الہند رح کے ارشاد سے میرا کام دیوبند سے دہلی منتقل ہوا۔ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء میں نظارۃ المعارف قائم ہوئی۔

(علمائے حق جلد اوّل ص ۱۳۵)

یہ جو کچھ کارروائی کی گئی ہے اس کے بارے میں مؤرخ عُلام کی بیچارگی بھی ملاحظہ فرمایئے:۔

"ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ علمائے ملت کے مخلصانہ قلوب پروپیگنڈا سے عموماً متنفر رہے۔ اسی لئے اُس زمانے کی جدوجہد منظرِ عام پر نہ آسکی اور آج بھی ہم اس

کے متعلق مطبوعہ کتابوں کا حوالہ نہیں پیش کر سکتے۔" (علمائے حق اول ص۱۱۲)

پھر آپ تک کن ذرائع سے یہ روایات پہنچیں، مخطوطہ یا سینہ بہ سینہ؟ حوالہ اور سند بہر صورت ایک مورخ کے ذمے ہے۔

نظارۃ المعارف

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مولانا عبید اللہ دیوبند سے منتقل ہو کر دہلی کیوں آئے؟

حضرت مولانا سراج احمد صاحب رشیدی قائم مقام ناظم جمعیۃ الانصار تحریر فرماتے ہیں:۔

"مولانا عبید اللہ جمعیۃ الانصار کی نظامت چھوڑ کر ۱۳۳۱ھ ۱۹۱۳ء میں دہلی چلے گئے اور اور نظارۃ المعارف قائم کر لی۔ جمعیۃ کے اراکین مجلس انتظامیہ نے اپنا جلسہ منعقد کیا۔ اور بہت کچھ گفت وشنید کے بعد یہ طے ہوا کہ جمعیۃ دار العلوم کی فرع ہے اور اصل کی بقا سے فرع باقی رہ سکتی ہے۔ نیز دار العلوم کی مالی امداد کرنا جمعیۃ کا اولین فرض ہے۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ طمطراق اور جناب ناظم صاحب کی اولوالعزمیوں سے قطع نظر کرکے اُن تجاویز پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ جن سے دار العلوم اپنی امتیازی شان کے ساتھ اپنے مالی نقصانات کی جبر و مکافات کرلے اور جمعیۃ کا وجود باقی رہے۔ چنانچہ اراکین انتظامیہ اور قائم مقام ناظم نے حضرات سرپرستان جمعیۃ کی خدمت میں ایک عرضداشت پیش کی کہ ہم خدام دار العلوم چاہتے ہیں کہ ہم کو برائے چندے تعلیمی خدمات سے سبکدوش فرمایا جائے کہ ہم اپنا وفد لے کر چند مقامات کا سفر کریں اور دار العلوم کے نقصانات کی کچھ مکافات کرسکیں۔ چونکہ زمانہ امتحان سالانہ قریب تھا۔ اس لئے سب کو تو اجازت نہ مل سکی مگر جناب مولانا مولوی شبیر احمد صاحب۔ مولانا مولوی سید مرتضیٰ حسن صاحب، مولانا

مولوی عبدالسمیع صاحب۔ مولانا مولوی منظہرالدین صاحب۔ اور قائم مقام ناظم اس خدمت پر مامور ہوئے۔

یہ بالکل غلط ہے کہ جمعیۃ الانصار بند ہوگئی۔ اور یہ بھی بالکل غلط ہے کہ جناب مولوی عبیداللہ صاحب کی دہلی کی انجمن جمعیۃ الانصار کا شعبہ ہے یا دارالعلوم کی ساختہ اور ماتحت ہے۔ اور یہ بھی بالکل غلط ہے کہ دارالعلوم یا جمعیۃ الانصار نے انگریزی داں طلبہ کی دینی تعلیم وتربیت سے انکار کردیا۔ مولوی عبیداللہ صاحب دارالعلوم میں تعلیمی وتدریسی جماعت کے جزو اور رکن نہیں تھے کہ ان کے چلے جانے سے یہ دقت پیش آئی ہو۔ بعض انگریزی داں طلبہ اس وقت بھی دارالعلوم میں تعلیم پارہے ہیں۔ اور دارالعلوم ہر وقت نہایت مسرت اور خندہ پیشانی سے گریجویٹ حضرات کی دینی تربیت کی کفالت کے لئے مستعد ہے مگر جیسے کہ عربی خواں طلبہ اپنے خورد ونوش کی خود کفالت کرتے ہیں یا دارالعلوم کی معمولی کفالت پر قناعت کرتے ہیں۔ ایسے ہی اگر گریجویٹوں کا طرز عمل ہو تو پھر کوئی دقت نہیں۔ سچ یہ ہے کہ نہ جمعیۃ الانصار میں اب مالی روح باقی ہے نہ وظائف میں ایسا امتیاز مناسب ہے۔ اور مشاہدہ کے بعد اب کسی میں جرأت بھی باقی نہیں ہے۔ الخ (القاسم جلد ۴ شمارہ ۵)

مولانا عبیداللہ سندھی کا استعفا

۱۳۳۱ھ میں مولانا عبیداللہ نے دہلی جاکر نظارۃ المعارف قائم کرلی۔ اور اخبار رفیق دہلی میں جمعیۃ الانصار سے اپنا سہ حرفی استعفا شائع کرادیا۔ جمعیۃ الانصار کی طرف سے چند امور کے بارے میں ان سے جواب طلب کیا گیا تھا۔ اس کا بھی انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی تفصیل مولانا سراج احمد صاحب یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

مطالبات کے جواب میں حضرت ناظم کا اب تک سکوت اور بعض اراکین جمعیۃ و

دیگر اہل اسلام کے استفسارات محرک ہیں کہ حضرت ناظم کا استعفا اور ارکین مجلس انتظامیہ کی اس پر تجویز الفاسم میں شائع کر دیئے جائیں۔ اس کے بعد اگر اور تفصیل کی ضرورت باقی رہی تو مطالبات کے جوابات کا آئندہ انتظار نہ کر کے کسی دوسرے پرچے میں اور کچھ واقعات کی واقعی تصویریں کھینچ دی جائیں اور ناظرین ان کے معائنے سے تحیر کے عالم میں حقیقت کو سمجھتے رہیں۔

نقل استعفا مولانا موصوف۔ اما بعد۔ بخدمت شریف جناب مولانا امیر جمعیۃ الانصار دامت برکاتہم۔ بعد سلام مسنون معروض آنکہ جلسۂ انتظامیہ کے تمام ممبر جہاں تک مجھے معلوم ہوا میری نسبت اچھے خیالات نہیں رکھتے۔ اگر الجامعۃ القاسمیۃ تک معاملات کا مرافعہ کیا جاوے اور میں اپنی برات ثابت کر لوں تو بھی اتفاق سے کام چلانا مشکل ہے۔ لہٰذا جمعیۃ الانصار کی خدمت سے استعفا پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد مجھے جمعیۃ الانصار کے کسی شعبے سے تعلق نہ ہو گا۔ اور اپنے معاملے کا ذاتی حیثیت سے ذمہ دار ہوں گا۔ جناب والا جس قدر جلد ممکن ہو منظور فرما کر اعلان کی اجازت مرحمت فرما دیں گے۔ تاکہ مجھے اپنے طور پر کام کرنا آسان ہو سکے۔ والسلام۔

عبید اللہ عفی عنہ دیوبند۔ ۲۴ جمادی الثانیہ۔ ۱۱ مئی۔

حضرت ناظم نے یہ استعفا جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سرپرست اور امیر الجمعیۃ کی خدمت میں پیش کیا۔ اور دیوبند سے پنجاب کو تشریف لے گئے۔"

آگے لکھتے ہیں:-

"اور جمعیۃ کو زیر باری کی حالت میں چھوڑ کر قطع تعلق گوارا کر لیا۔ جو ان کی اولوالعزمی، عالی حوصلگی، ہمہ گیری، بلند پروازی، روشن خیالی، تحمل، وقار، اطمینان کے کسی طرح

شایاں نہیں۔ استعفا کا آخری جملہ (تاکہ مجھے اپنے طور پر کام کرنا آسان ہو سکے) غالباً استعفا کے اصلی راز کی طرف رہبری کرتا ہے۔ حضرت امیر الجمعیۃ نے یہ استعفا مجلس انتظامیہ میں بھیجا۔

مجلس انتظامیہ منعقدہ ۷ رجب ۱۳۳۱ھ روز جمعہ کے فیصلے کا خلاصہ یہ ہے :۔

(ا) مولانا مولوی عبید اللہ صاحب کا استعفےٰ پیش ہوا۔ مولانا نے اپنے استعفا کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اراکین جلسہ انتظامیہ ان کی نسبت اچھے خیالات نہیں رکھتے اور یہ کہ بصورت ثبوت صفائی کے بھی وہ اتفاق سے کام چلانے کو مشکل خیال کرتے ہیں۔

اس کے متعلق غور و بحث کے بعد یہ بات طے ہوئی کہ فی الواقع اراکین جلسۂ انتظامیہ کو ناظم صاحب سے بوجوہ ذیل اختلاف ہے :۔

الف۔ ب۔ (حسابات وغیرہ کے متعلق ہیں)

ج جمعیۃ الانصار کے ضوابط مسلّمہ کے خلاف اُن سے بعض ایسے امور سرزد ہوئے جس سے مدرسہ دیوبند کے قدیمی اثر کو صدمہ پہنچنے کا اندیشہ کیا جاتا ہے حالانکہ جمعیۃ الانصار کا نصب العین یہ تھا کہ مدرسۂ دیوبند کے قدیمی اثر کی توسیع اور اس کی تعلیم کی مزید اشاعت کی جائے گی۔

(د) جمعیۃ الانصار کے متعلق مولانا کے تساہل کا یہ بیّن ثبوت ہے کہ جمعیۃ الانصار اس وقت مبلغ کئی سو روپیہ کی مقروض ہے۔ اس قرضہ کی رقوم اکثر ایسی رقمیں ہیں، جو مولانا نے محض اپنی رائے سے خلاف ضوابط امور کے لئے بطور خود حاصل کی ہیں اور نظامت کی وجہ سے جمعیۃ الانصار کے حساب میں لکھی گئیں۔ ورنہ فی الحقیقت ان کی اصلی ذمہ داری اُن پر عائد ہونی چاہیئے۔

ھ۔ یہ بھی بات قابل لحاظ ہے کہ جمعیۃ جس قسم کے لوگوں سے مرکب ہے اور جن

سے مرکب ہے بغیر جمعیۃ الانصار کا وضعی مفہوم باقی نہیں رہتا۔ ان کے عملیات بلکہ اعتقادیات میں بھی مولانا عبیداللہ کی جانب سے مختلف مواقع میں خلاف کا اظہار واقع ہوا ہے۔ جو پہلے سے بالکل نامعلوم تھا۔ اور جس سے اب تک بھی بلا واسطہ بعض اراکین کو واقفیت حاصل نہیں ہوئی۔ اس کی تفصیل عند الضرورۃ اُن اراکین سے معلوم ہو سکتی ہے جن کو بکثرت مولوی صاحب موصوف سے دینی مسائل میں گفتگو کرنے کے مواقع ہاتھ آئے ہیں۔

ق۔ مولانا عبیداللہ صاحب کی جمعیۃ الانصار کے امور مہمہ میں مداہنت اور تساہل اور ان کی اپنی رائے پر گزشتہ صلابت کو دیکھتے ہوئے ہم بھی انھیں کے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں (اگر الجامعۃ القاسمیہ تک معاملات کا مرافعہ کیا جائے اور میں اپنی براءت ثابت کر لوں تو بھی اتفاق سے کام چلانا مشکل ہے) اگرچہ اشکال کی وجہ ہم میں اور ان میں مختلف ہو مگر عبارا تنا شتی وحسنک واحد نتیجہ ایک ہے۔

لہٰذا وجوہ مذکورۂ بالا کی بنا پر مولانا موصوف کا استعفا آج بتاریخ ۷ رجب ۱۳۳۱ھ روز جمعہ منظور کیا جاتا ہے۔ الخ

مذکورہ فیصلے پر مندرجہ ذیل حضرات کے دستخط ہیں:۔

بندہ محمد مرتضیٰ حسن غفرلہٗ مدرس دارالعلوم دیوبند۔ محمد انور عفی عنہ مدرس دارالعلوم دیوبند۔ شبیر احمد عثمانی مدرس دارالعلوم دیوبند۔ محمد کفایت اللہ عفی عنہ مدرس اول مدرسہ امینیہ دہلی۔ عبدالسمیع عفی عنہ مدرس دارالعلوم دیوبند۔ محمد عقیل عفی عنہ کاندھلوی۔ محمد ریاض الدین عفی عنہ مدرس اول مدرسہ عالیہ میرٹھ۔ محمد سہول غفرلہٗ مدرس دارالعلوم دیوبند۔

حضرت ناظم نے اب تک استفسارات اور مطالبات کا کوئی جواب عنایت نہ فرمایا۔ ناچار آج ان کی علیحدگی کا اعلان شائع کیا جاتا ہے اور حسابی کارروائی اور

وجوہ مخالفت کی تفصیلی روئداد انشاء اللہ تعالیٰ بعد کو شائع کی جائیگی۔ خاکسار سراج احمد قائم مقام ناظم جمعیۃ الانصار دیوبند۔ (ملخصاً و ملتقطاً۔ (القاسم جلد چہارم شمارہ ۷ صفر ۱۳۳۲ھ)

بنائے اختلاف

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی تحریر فرماتے ہیں:۔

"واقعہ یہ ہے کہ دار العلوم دیوبند کے ارباب اہتمام کے سامنے دار العلوم کا بقاء و تحفظ سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ ۱۸۵۷ء کے واقعات اور اس کے بعد انگریزی پالیسی ان کے سامنے تھی۔ انھوں نے مولانا عبید اللہ سندھی کی سرگرمیوں کو نہ صرف دار العلوم دیوبند بلکہ عام مسلمانوں کے لئے بھی خطرناک تصور کیا اور اپنے خیالات کے مطابق ضروری سمجھا کہ مولانا سندھی کا تعلق اس مرکز سے نہ رہے۔ اسی زمانے میں اتفاق سے چند علمی مسئلوں میں مولانا سندھی اور دار العلوم کے دوسرے علما کے درمیان اختلاف پیدا کرادیا گیا۔ اسی اختلاف کو وجہ قرار دیکر مولانا سندھی کو دار العلوم سے علیحدہ کر دیا گیا۔ چنانچہ رولٹ کمیٹی کی رپورٹ میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔" (نقش حیات جلد دوم صفحہ ۱۴۴)

مگر القاسم کی تحریرات سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ مولانا سندھی خود بخود دہلی چلے گئے اور وہاں جاکر اخبار رفیق دہلی میں اپنا استعفا شائع کرادیا۔

(القاسم جلد ۳ شمارہ ۷ صفحہ ۳)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ دوسرے علما کون تھے؟ اختلاف پیدا کرانے والے کون حضرات تھے؟ اور وہ علمی مسئلے کیا تھے؟ مولانا مدنی نے اسکی کوئی وضاحت نہیں فرمائی

لیکن مجملاً پہلے اعلان فرما چکے ہیں:-

بنابریں تمام اہلِ فہم اور اربابِ قلم و علم سے پرزور درخواست ہے کہ مولانا مرحوم کی کسی تحریر کو دیکھ کر اس وقت تک اس پہ کوئی حتمی رائے قائم نہ فرمائیں جب تک کہ اس کو اصول اور مسلمات اسلامیہ اور ضروریات دین اور عقائد و اعمالِ اہلِ سنت والجماعت کے زرین قواعد و تالیف پر پرکھ نہ لیں۔ اور علیٰ ہذا القیاس مولانا کے کسی کلام کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اسلاف و اکابر دیوبند کا مسلک بھی نہ سمجھیں۔ جب تک کہ اسی کسوٹی پر اس کو کس نہ لیں۔ یہ حضرات اکابر جملہ عقائد و اعمال میں خواہ وہ فروع سے تعلق رکھتے ہوں یا اصول سے بسلف صالحین اور ان کے اصول و قوانینِ مسلمہ اہلِ سنت والجماعت ہی کے تابع ہیں اور اس کی تعلیم و تلقین کرتے رہے ہیں۔ واللہ الموفق (بیان حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ مندرجہ مولانا عبیداللہ کی ذاتی ڈائری، شائع کردہ ادبستان لاہور ۱۹۴۶ء صفحہ ۵۰)

مذکورہ بالا اقتباسات کو بغور ملاحظہ فرمانے کے بعد یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے بھی سرپرست تھے اور جمعیۃ الانصار کے بھی۔ (نقشِ حیات جلد اول صفحہ ۱۴۲) جمعیۃ الانصار کے اس فیصلے کی موجودگی میں وہ کیا کام مولانا عبیداللہ کے سپرد تھا، جو حضرت شیخ الہند کے حکم سے دہلی منتقل ہوا، اور نظارۃ المعارف کے نام سے جاری ہوا، شاید بلکہ اغلباً یہی ہو کہ مولانا عبیداللہ جمعیۃ الانصار کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہتے تھے۔

جمعیۃ الانصار کے اغراض و مقاصد بالکل واضح اور بیّن تھے۔ ان کے

عملی اقدامات اور اس کی کارگزاریوں کی مفصّل روئدادیں خود مولانا موصوف کے قلم سے شائع ہو چکی تھیں۔ ان تمام حقائق کے بعد یہ تصوّر قائم کر لینا کہ جمیعۃ الانصار کے پس منظر میں حضرت شیخ الہندؒ کی خفیہ تحریک پوشیدہ تھی بالکل لغو بات ہے۔

حضرت شیخ الہند کی خفیہ جدوجہد کا راز کیونکر کُھلا؟ مولانا سندھی کو بغیر کوئی مقصد اور پروگرام بتائے ہوئے کابل کیوں بھیجا گیا؟ وغیرہ۔ ہم اس کی تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھتے اور اپنے موضوعِ کلام کی طرف واپس آتے ہیں۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی نظر بندی

مولانا عبید اللہ اگست ۱۹۱۵ء (شوال ۱۳۳۳ھ) میں کابل روانہ ہوئے۔ حضرت شیخ الہندؒ، ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۸ ستمبر ۱۹۱۵ء کو بمبئی سے روانہ ہو کر حجاز پہنچے اور صفر ۱۳۳۵ھ میں مکہ معظمہ سے گرفتار ہو کر مالٹا لیجا کر نظر بند کر دیئے گئے۔ اور حکومت برطانیہ نے مولانا عبید اللہ کی ہندوستان میں واپسی کو ممنوع قرار دے دیا۔ اس طریقے سے خفیہ تحریک بھی ختم ہو گئی۔ اور یہ حضرات ہندوستان کے ملکی و سیاسی حالات سے بھی بے خبر اور بیگانہ ہو گئے۔ حضرت شیخ الہند کے ساتھ مولانا عزیر گل مولانا حسین احمد مدنی۔ مولانا وحید احمد۔ مولانا حکیم نصرت حسین بھی مالٹا میں نظر بند تھے۔ نگرانی کا یہ حال تھا کہ جگہ جگہ جامہ تلاشی اور خط و کتابت کے اوپر سخت سنسر اور ہر جگہ شدید نگرانی اور پہرہ (دیکھئے نقش حیات جلد دوم ص ۲۱۶ و ص ۲۲۶ اور رسالہ شیخ الہند مؤلفہ حضرت مفتی کفایت اللہ ص ۴ اور حیات شیخ الہند وغیرہ)

اور اس قدر بعید مقام پر جا کر کسی کا ملاقات کرنا اور سیاسی گفتگو کرنا اس کا

تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا. غرضکہ گھر اور اعزہ و اقربا و احباب کے حالات سے بھی بے خبر تھے. چہ جائیکہ ہندوستان کے سیاسی و ملکی حالات.

اِدھر ہندوستان کی سیاست پلٹا کھا رہی تھی خفیہ سازشوں اور باغیانہ تحریکوں کے بجائے آئینی حرکت اور رائے عامہ کے اندر سیاسی شعور اور بیداری پیدا ہو رہی تھی. اور جنگ عظیم میں ترکوں کی شکست اور برطانیہ کی بدعہدی کی وجہ سے مسلمانوں میں سخت ہیجان تھا. جگہ جگہ احتجاجی جلسے اور مظاہرے ہو رہے تھے. اور علماء بھی ان میں پوری دلچسپی لے رہے تھے.

قصیدہ فراقیہ

(از حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب)

أَلَا يَا مَا لَنَا! طُوبَى وَ بُشْرَى ... تُوَلَّى بِاللَّهِ مِنْ مُحَيَّا اثَارُ كُفْرِ

وَلَمْ تَكُ قَبْلَهُ اِلَّا خَرَابَا ... خُمُولاً غَيْرَ مَعْرُوفٍ بِخَيْرِ

فَلَمَّا حَلَّهَا عَادَتْ رِيَاضًا ... مُنَضَّرَةً مِنَ التَّقْوَى وَذِكْرِ

مُكَلَّلَةً بِاَزْهَارِ الْمَزَايَا ... وَاَزْهَارُ الْمَزَايَا خَيْرُ زَهْرِ

أَلَا يَا مَالِنَا! كُونِي سَلَامًا ... عَلَى مَحْمُودِنَا الرَّاضِي بِقَدْرِ

اِمَامُ الْخَلْقِ قُدْوَتُهُمْ جَمِيعًا ... لَهُ كَرَمٌ اِلَى الْاٰفَاقِ يَسْرِي

جُنَيْدُ الْعَصْرِ سِرِّيُّ الزَّمَانِ ... غُيُوثُ فُيُوضِهِ تَهْمِي وَتَجْرِي

فَرِيدٌ فِي خَلَائِقِهِ الْعِذَابِ ... وَحِيدٌ فِي التُّقَى مِنْ غَيْرِ فَخْرِ

اَشَدُّ النَّاسِ اَمْثَلُهُمْ بَلَاءً ... فَيَا شَمْسَ الْهُدَى يَا طَوْدَ صَبْرِ

ذَكَرْنَا يُوسُفَ الصِّدِّيقَ لَمَّا ... اُسِرْتَ بِغَيْرِ اِسْتِحْقَاقِ اَسْرِ

لِحَرِّ الْبَیْنِ فِیْ صَدْرِ الْکَئِیْبِ تَفِیْضُ دُمُوْعُہٗ حُمْرَ الْجَمْرِ

سَیُنْزِلُکَ الْعَزِیْزُ مَحَلَّ عِزٍّ وَیَنْصُرُکَ النَّصِیْرُ اَعَزَّ نَصْرٍ

سَیَکْفِیْکَ الْاِلٰہُ فَاَنْتَ مَرْءٌ

کَفَاکَ اللّٰہُ قَدْ مَا کُلَّ شَرٍّ

ترجمہ از واصف

(۱) سُن اے مالٹا! مُبارک ہو تجھے یہ مژدہ کہ تیرے اندر کفر کا مٹانے والا ایک مرد مجاہد مقیم ہوا ہے۔ (۲) اور اس سے پہلے تیری حیثیت ہی کیا تھی۔ تو ایک گمنام و ویرانہ تھا کہ تیرا ذکرِ خیر دُنیا میں کہیں بھی نہ تھا (۳) جب مالٹا میں اُس مقدس ہستی نے ورود فرمایا تو وہ تقویٰ اور ذکر اللہ کا ایک ایسا سرسبز باغ بن گیا (۴) جس میں فضائل و معالی کے پھُول کھلے ہوئے ہیں، اور یہ حقیقی بہار تو فضائل و معالی کی ہی بہار ہے (۵) ہاں اے مالٹا! سلامتی ہو جا! ہمارے محمود پہ جو راضی برضائے الٰہی (ہو کر تیرے اندر جلوہ افروز ہوا ہے (۶) جو عصرِ حاضر میں پوری قوم کا امام اور پیشوا ہے اور اس کی عظمت کا آوازہ تمام عالم میں پہنچا ہوا ہے (۷) وہ زمانے کا جنیدؒ اور وقت کا سری سقطیؒ ہے اس کے فیوض کی بارشیں برستی اور سیل رواں بنتی ہیں۔ (۸) اپنے شیریں خصائل میں یگانہ اور تقویٰ میں یکتائے زمانہ اور منکسر المزاج ہے۔ (۹) جو انسان برگزیدہ اور عالی مرتبہ ہوتا ہے اس پر آزمائشیں بھی سب سے زیادہ سخت آتی ہیں۔ تو اے آفتاب ہدایت اور اے کوہِ تحمل! (۱۰) جب تجھکو بغیر اثبات جرم کے

قید کر دیا گیا تو ہمیں حضرت یوسف علیہ السلام یاد آ گئے۔ (۱۱) آہ! ایک مضطرب کے سینے میں غم و فراق کی جو آگ بھڑک رہی ہے اس کی وجہ سے اس کے سُرخ آنسو انگاروں کی طرح دہکتے ہوئے نکل رہے ہیں۔

(۱۲) عنقریب آپ کو خدائے عزیز مقام عزت پر فائز فرمائے گا اور بڑی زبردست مدد فرمائے گا (۱۳) اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کی مکمل حمایت و نصرت فرمائیگا کیونکہ آپ ہی وہ مرد مجاہد ہیں جسے خدا نے ہمیشہ ہر قسم کے شر سے بچایا ہے۔

انعقاد جمعیۃ علمائے ہند بمقام دہلی

نومبر ۱۹۱۹ء میں یعنی حضرت شیخ الہند کے ہندوستان سے روانہ ہونے کے چار سال کے بعد خلافت کانفرنس کی تقریب سے تمام اقطار ہند کے علما کی ایک معتدبہ جماعت دہلی میں جمع ہو گئی تھی۔ خلافت کانفرنس کے اجلاسوں سے فارغ ہونے کے بعد تمام علمائے موجودین نے ایک جلسہ منعقد کیا جس میں صرف حضرات علما ہی شریک ہوئے مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب کی تحریک اور مولانا منیر الزماں صاحب و دیگر حاضرین کی تائید سے جناب فاضل علامہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب اس جلسے کے صدر قرار پائے اور کارروائی شروع ہوئی۔ تمام حاضرین جلسہ نے باتفاق طے کر لیا کہ علما کی ایک جمعیۃ قائم کی جائے اور اس کا نام جمعیۃ علمائے ہند رکھا جائے۔ اس کے حلقے کو تمام ہندوستان کے لئے وسیع کر دیا جائے۔ چنانچہ اسی وقت تمام حاضرین نے جمعیۃ کی رکنیت منظور فرمائی اور جمعیۃ علمائے ہند قائم ہو گئی۔

مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب اور مولوی سید محمد داؤد صاحب نے جمعیۃ علمائے ہند

کے موجودہ اراکین کو امرتسر میں تشریف لائے گئے۔ اسی وقت دعوت دیدی۔ اور بالاتفاق طے ہو گیا کہ جمعیۃ کا جلسہ آئندہ دسمبر میں بمقام امرتسر منعقد ہو گا۔ مولانا ثناء اللہ کی تجویز و دیگر حضرات کی تائید سے مولانا مولوی کفایت اللہ صاحب جمعیۃ علمائے ہند کے عارضی صدر اور مولانا حافظ احمد سعید صاحب عارضی ناظم بنائے گئے۔ مولانا محمد اکرم خاں اور مولانا کفایت اللہ کو جمعیۃ کے مقاصد و ضوابط کا مسودہ تیار کرنے اور اجلاس امرتسر میں پیش کرنے کیلئے منتخب کیا گیا۔ دہلی کے اس جلسے میں علمائے ذیل موجود تھے۔

[1] حضرت مولانا عبدالباری صاحب۔ [2] مولانا سلامت اللہ صاحب۔ [3] مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب۔ [4] حضرت پیر محمد امام صاحب سندھی۔ [5] مولانا اسد اللہ صاحب سندھی۔ [6] مولانا سید محمد فاخر صاحب۔ [7] مولانا مولوی محمد انیس صاحب۔ [8] مولانا خواجہ غلام نظام الدین صاحب۔ [9] مولانا محمد کفایت اللہ صاحب۔ [10] مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی۔ [11] مولانا حافظ احمد سعید صاحب دہلوی۔ [12] مولانا سید کمال الدین صاحب۔ [13] مولانا قدیر بخش صاحب۔ [14] مولانا تاج محمد صاحب۔ [15] مولانا محمد ابراہیم صاحب دربھنگہ۔ [16] مولانا خدا بخش صاحب مظفر پوری۔ [17] مولانا مولا بخش صاحب امرتسری۔ [18] مولانا عبدالحکیم صاحب گیاوی۔ [19] مولانا محمد اکرم صاحب۔ [20] مولانا منیرالزماں صاحب۔ [21] مولانا محمد صادق صاحب۔ [22] مولانا سید محمد داؤد صاحب۔ [23] مولانا سید اسمٰعیل صاحب۔ [24] مولانا محمد عبداللہ صاحب۔ [25] مولانا آزاد سبحانی صاحب۔ (اقتباس از مختصر حالات انعقاد جمعیۃ علمائے ہند مطبوعہ انڈین پریس دہلی۔ شائع کردہ ناظم جمعیۃ باجازت صدر جمعیۃ علمائے ہند)

یہ ہیں وہ پچیس علما جو آپس کے سالہا سال کے اختلافات اور متعصبانہ گروہ بندیوں کو نظر انداز کر کے ایک جگہ سر جوڑ کر بیٹھے۔ حالات کی نزاکت کو محسوس کیا اور جمعیۃ علمائے ہند قائم کی۔ یہی حضرات جمعیۃ کے بانی اور معمار اول ہیں۔ اور سب سے پہلے ارکان بھی یہی حضرات ہیں۔

یہ وہ وقت تھا جبکہ حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا حسین احمدؒ مالٹا میں نظر بند تھے اور مولانا عبید اللہ سندھی ہندوستان سے باہر جلا وطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے ہندوستان کے لوگ اُن حضرات کے کوائف و حالات سے بیخبر تھے اور وہ حضرات ہندوستان کے حالات اور حالات کی رفتار سے قطعاً لاعلم تھے لیکن آج ذمہ داران جمعیۃ فرماتے ہیں کہ جمعیۃ کی تاسیس میں حضرت شیخ الہند کا اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد کا ہاتھ تھا۔ کبھی کہا جاتا ہے موجودہ شکل میں جمعیۃ کے مؤسس حضرت شیخ الہند تھے اور ایک نئی فہرست گھڑ کر پیش کی جاتی ہے اور دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ ہیں جمعیۃ علمائے ہند کے بانی اور معمارِ اوّل۔ اور طرفہ تماشا یہ ہے یہ فہرست بھی تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ ملاحظہ ہو مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علما کا ایک کتابچہ جس کا نام ہے "تعارف" شائع کردہ الجمعیۃ بکڈپو دہلی (مطبوعہ ۱۹۵۴ء)

سب سے پہلے اُن بزرگانِ دین رہنمایانِ قوم اور زعمائے ملک کے اسمائے گرامی پیش کئے جاتے ہیں جو جمعیۃ علمائے ہند کے بانی اور معمارِ اوّل ہیں:۔

شیخ الہند مولانا[۱] محمود حسن صاحب۔ مولانا[۲] محمد کفایت اللہ صاحب مفتیٔ اعظم ہند۔ مولانا[۳] محمد عبد الباری صاحب مولانا[۴] ثناء اللہ صاحب۔ مولانا[۵] محمد انور شاہ صاحب۔ مولانا[۶] محمد سجاد صاحب مولانا[۷] سید محمد فاخر صاحب۔ مولانا[۸] عبید اللہ صاحب سندھی۔ حکیم[۹] اجمل خاں صاحب۔ مولانا[۱۰] حبیب الرحمن صاحب دیوبندی۔ مولانا[۱۱] معین الدین صاحب۔ ڈاکٹر[۱۲] انصاری صاحب۔ مولانا سید[۱۳] سلیمان صاحب ندوی مولانا[۱۴] ابو القاسم صاحب سیف بنارسی۔ مولانا[۱۵] ابراہیم صاحب سیالکوٹی۔ مولانا[۱۶] عبد الماجد صاحب بدایونی۔ مولانا[۱۷] محمد صادق صاحب۔

اصل روئداد میں تو وضاحت کی گئی ہے کہ "صرف حضرات علما ہی شریک ہوئے" لیکن فہرست مذکورۂ بالا میں دو لیڈر بھی شامل ہیں۔ نیز حضرت مولانا حسین احمد صاحب

مدنی کا نام اس میں نہیں ہے۔

اور اب گیا کے بائیسویں اجلاس کے موقع پر جو تاریخی دستاویز (جمعیۃ علما نمبر) شائع ہوا تو اس میں بانیانِ جمعیۃ علما کی مندرجہ ذیل فہرست درج ہے:۔

حضرت[۱] شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب۔ مولانا[۲] حسین احمد صاحب۔ مولانا[۳] کفایت اللہ صاحب۔ مولانا[۴] ابو الکلام آزاد۔ مولانا[۵] عبد الباری صاحب۔ مولانا[۶] احمد سعید صاحب۔ مولانا[۷] ثناء اللہ صاحب۔ مولانا[۸] محمد انور شاہ صاحب۔ مولانا[۹] محمد سجاد صاحب۔ مولانا[۱۰] محمد فاخر صاحب مولانا[۱۱] عبید اللہ سندھی۔ حکیم[۱۲] اجمل خاں صاحب۔ ڈاکٹر[۱۳] انصاری صاحب۔ مولانا[۱۴] حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندی۔ مولانا[۱۵] معین الدین صاحب۔ مولانا[۱۶] سید سلیمان صاحب ندوی۔ مولانا[۱۷] ابو القاسم صاحب سیف۔ مولانا[۱۸] ابراہیم صاحب سیالکوٹی۔ مولانا[۱۹] عبد الماجد صاحب بدایونی۔ مولانا[۲۰] محمد صادق صاحب۔ مولانا[۲۱] عبد الحق صاحب مدنی۔ مولانا[۲۲] بشیر احمد صاحب۔ مولانا[۲۳] نور الدین صاحب۔ مولانا[۲۴] حفظ الرحمٰن صاحب۔

لیجئے سترہ افراد سے چوبیس ہو گئے۔ اور اب آئندہ کوئی فہرست تصنیف کی گئی تو دیکھنا ہے کہ اس میں کتنے ہوں گے اور کس کس کے نام کا قرعہ نکلے گا۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست!

دیوبندی گروپ

یہ امر خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس اجتماع میں جمعیت کی تاسیس ہوئی اس میں دیوبندی گروپ میں سے کوئی صاحب شامل نہیں ہیں۔ پھر امرتسر میں جو پہلا اجلاس بصدارت حضرت مولانا عبد الباری منعقد ہوا اس میں بھی کوئی صاحب شریک

نہیں ہوئے۔ اس جلسے میں حضرت شیخ الہند کی عدم رہائی پر اضطراب کا اظہار کیا گیا۔ اور وائسرائے کو اس مقصد سے تار دیا گیا۔

پھر ۶ ستمبر ۱۹۲۰ء کو کلکتہ میں خاص اجلاس بصدارت حضرت مولانا تاج محمود صاحب سندھی منعقد ہوا جس میں دوسو علماء شریک تھے۔ اس میں مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب اور مولانا عزیر گل صاحب شریک ہوئے۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی باوجودیکہ مالٹا سے واپس آچکے تھے مگر اس جلسہ میں شریک نہ تھے۔ اور مولانا موصوف تو حضرت شیخ الہند کی خفیہ تحریک میں بھی شریک نہ تھے۔ (نقش حیات جلد دوم ص ۲۱۵) حضرت اقدس کے ساتھ عقیدت ومحبت اور اُن کی خدمت کی آرزو آپ کی اسیری کا سبب بنی۔ (سفر نامہ اسیر مالٹا مطبوعہ اسٹار پریس دہلی ص ۱۴ اور حیات شیخ الہند مطبوعہ قاسمی ص ۴۹ اور رسالہ شیخ الہند مؤلفہ مفتیٔ اعظم مولانا کفایت اللہؒ ص ۲۴) اس خاص اجلاس میں ترک موالات کی تجویز اور دہلی میں ہونے والے دوسرے اجلاس جمعیۃ کے لئے حضرت شیخ الہند کی صدارت کی تجویز پاس ہوئی (اخبار زمانہ کلکتہ شمارہ ۵۷ مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۲۰ء)

غرضکہ حضرت شیخ الہند کی تشریف آوری سے قبل دیوبندی گروپ کو جمعیۃ علمائے ہند سے کوئی دلچسپی نہ تھی حالانکہ جمعیۃ کوئی خفیہ یا باغیانہ تحریک نہ تھی اور اس کی رکنیت میں کوئی خطرہ نہ تھا لیکن یہ حضرات حضرت شیخ کی گرفتاری کے بعد سے شاید بہت زیادہ محتاط ہوگئے تھے۔ جب حضرت رہا ہو کر تشریف لائے اور اُس وقت کے تمام بڑے بڑے ہندو مسلم لیڈروں نے بمبئی میں آپ کا استقبال کیا تو آپ کو ہندوستان کے سیاسی حالات اور تحریک خلافت کا علم ہوا۔ (نقش حیات جلد دوم ص ۲۴۵) اور جب آپ کو بتایا گیا کہ علمانے بھی جمعیۃ علمائے ہند کے نام سے اپنی ایک تنظیم قائم کی ہے تو آپ نے بے انتہا مسرت اور قلبی توجہ وشغف کا اظہار فرمایا

اور ارکان جمعیۃ کی تحسین اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ اور حضرت کے بعض شاگرد جن کی مقبولیت و شہرت کی وجہ سے جمعیۃ علما کو خاص تقویت کی امید تھی۔ جب بالکل یکسوئی اور بے تعلقی کے ساتھ شرکت سے علیحدہ اور مجتنب رہے تو آپ کو نہایت حسرت ہوئی اور غایت افسوس کے ساتھ آپنے ایک ہمنام الہ آبادی کی زبان سے گویا یہ فرمایا:۔

کسی کا میری بزم غم سے اے محمود یوں اُٹھ کر　　قیامت ہے شریک محفلِ اغیار ہو جاتا

(حیات شیخ الہند مولفہ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب ص۱۲۳)

جمعیۃ کے ساتھ حضرت کی دل چسپی اور دوسرے حضرات کی بے تعلقی کی ایک مثال یہ ہے کہ دہلی میں اجلاس جمعیۃ کے انتظامات اور ہجوم کار کا سارا بار چونکہ مولانا کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید پر تھا۔ حضرت اقدس نے مولانا شبیر احمد صاحب اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کو خط لکھ کر ان کے گھروں سے دہلی بلایا اور حکم دیا کہ اجلاس کے کاموں میں ان دونوں کا ہاتھ بٹاؤ۔

(نقش حیات جلد دوم ص۲۶۲)

لیکن موجودہ ذمہ داران جمعیۃ کی مورخانہ دیانت ملاحظہ ہو کہ بانیوں میں حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مہتمم اور مولانا محمد انور شاہ صاحب اور مولانا بشیر احمد صاحب، اور مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی وغیرہ کے نام بھی درج کیے گئے ہیں اور مولانا ابوالکلام آزاد کا نام بھی لکھا گیا ہے۔ حالانکہ وہ بھی اس وقت نظر بند تھے۔ وتس علیٰ ھذا۔

بانی و معمار اوّل کون ہے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جمعیۃ کا قیام یا انعقاد جن بیس علما کی موجودگی میں ہوا کیا یہ سب کے سب اس کے بانی ہیں؟ بانی تو دراصل ایک ہی ہوتا ہے یہ بات ناممکن نہیں لیکن

عام تجربہ اور مشاہدہ کے تو خلاف ہے کہ ایک خیال اتنے کثیر اشخاص کے دماغ میں بیک وقت پیدا ہو جائے اور سب کے سب ایک ہی خیال کو لیکر بیک وقت ایک جگہ مجتمع ہو جائیں۔

تو پھر وہ کون ہے؟ مختصر حالات انعقاد جس کا خلاصہ پہلے دیا جا چکا ہے۔ اس میں کسی شخص واحد کا نام ظاہر نہیں کیا گیا۔ بس اتنا لکھا ہے کہ "تمام علمائے موجودین نے ایک جلسہ منعقد کیا۔ جس میں صرف حضرات علما ہی شریک ہوئے۔" یہ نہیں ظاہر کیا گیا کہ کس کی دعوت پہ یہ جلسہ منعقد ہوا تھا یا خود بخود ایک ہی جگہ ایک ہی مقصد لیکر سب اکٹھے ہو گئے تھے۔

یہ ایک قدرتی سوال تھا جو راقم الحروف کے دل میں بھی پیدا ہوا تھا۔ اور اُس وقت حضرت والد ماجدؒ وفات پا چکے تھے۔ میں نے حضرت مولانا احمد سعیدؒ کی طرف رجوع کیا۔ اُن کا بیان پوری ذمہ داری کے ساتھ ذیل میں درج کرتا ہوں:۔

"میاں مفتی صاحب! اس کا اصل واقعہ یوں ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ کو حکم دیا تھا کہ میں علما سے ملوں اور ایک مشاورتی اجتماع کی دعوت دیدوں۔ حضرت مفتی صاحب مولانا عبد الباریؒ اور مولانا ثناء اللہؒ کو اس معاملے میں اپنا ہمخیال بنا چکے تھے کہ علما کو علیحدہ اپنی تنظیم قائم کرنی چاہیئے اور ایک وسیع تر جماعت بنانی چاہیئے۔ اور مفتی صاحب کی یہ رائے اُس وقت سے تھی جبکہ وہ ۱۹۱۸ء میں حضرت شیخ الہندؒ کے حالات پر ایک کتاب تصنیف فرما رہے تھے۔ اُس کتاب کی تصنیف کا مقصد یہ تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ کی اور ان کے رفقا کی بیگناہی ظاہر ہو جائے اور گورنمنٹ پر یہ واضح ہو جائے کہ مسلمانوں کے دلوں میں حضرت کی کس قدر عظمت و عقیدت ہے اور ان کی نظر بندی سے کس قدر مضطرب ہیں۔ لہٰذا حکومت ان کو رہا کر کے مسلمانوں کے مجروح جذبات کے لئے تسکین کا سامان بہم پہنچائے۔ مفتی صاحب فرماتے تھے کہ حضرت کی رہائی کے لئے علما کی طرف سے ایک متفقہ مطالبہ ہونا چاہیئے اور ایسی ہی ضروریات کے لئے تمام علما کو اپنی ایک علیحدہ

تنظیم قائم کرنی چاہیئے۔ یہ خیال ۱۹۱۸ء سے مفتی صاحب کے دماغ میں موجزن تھا۔ اور اکثر احباب سے اس کا تذکرہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ آخرکار نومبر ۱۹۱۹ء میں آپ کی آرزو بر آنے کا وقت آیا۔ آپ نے محسوس کیا کہ موجودہ سیاسی حالات میں دینی و ملی حیثیت سے مسلمانوں کی رہنمائی کی شدید ضرورت ہے۔ کیونکہ اس وقت مسلمانوں کی سیاسی لیڈر شپ ایسے لوگوں کے ہاتھ میں تھی جو اصول شرعیہ اور امور دینیہ سے واقف نہیں تھے۔ اگرچہ علما دوسری سیاسی جماعتوں میں انفرادی طور پر شریک تھے لیکن ان کی حیثیت عام ممبروں جیسی تھی۔ مفتی صاحب نے محسوس کیا کہ علما کی آواز میں قوت اور وزن پیدا کرنے کے لئے جماعتی تنظیم ضروری ہے۔ آپ نے حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کو اپنا ہمخیال بنایا۔ مفتی صاحب نے مجھے اور مولانا عبدالباری نے مولانا آزاد سبحانی کو حکم دیا کہ تمام علما سے مل کر چپکے چپکے ایک مشاورتی جلسے کی دعوت دے آئیں۔ چنانچہ اکثر تو میں اور مولانا آزاد سبحانی ساتھ ساتھ جا کر بات چیت کرتے تھے مگر چونکہ وقت بہت کم تھا اور سب سے ملنا ضروری تھا۔ اس لئے کہیں ہم دونوں الگ الگ بھی ملاقات کرنے کے لئے گئے۔ دہلی میں اس وقت خلافت کانفرنس کی شرکت کے لئے اگرچہ بہت سے علما آئے تھے مگر ہماری میٹنگ میں صرف اتنے ہی علما شریک ہوئے جتنے رپورٹ مطبوعہ میں درج ہیں۔ یہ سب کارروائی پرائیویٹ اور زبانی تھی۔ کوئی تحریری دعوت نامہ نہیں تھا۔

جس روز میٹنگ ہونے والی تھی اس روز صبح کو بعد نماز فجر مولانا عبدالباریؒ نے چند علما کو دہلی کی ایک مشہور درگاہ سید حسنؒ رسولنما میں جمع کیا تھا۔ وہاں سب نے یہ عہد کیا:۔

"ہم سب دہلی کے مشہور و مقدس بزرگ کے مزار کے سامنے اللہ کو حاضر و ناظر جان کر یہ عہد کرتے ہیں کہ مشترک قومی و ملی مسائل میں ہم سب آپس میں متحد و متفق

رہیں گے اور فروعی و اختلافی مسائل کی وجہ سے اپنے درمیان کوئی اختلاف
پیدا نہیں ہونے دیں گے۔ نیز قومی و ملکی جد و جہد کے سلسلے میں گورنمنٹ
کی طرف سے ہم پر جو سختی اور تشدد ہوگا اس کو صبر و رضا کے ساتھ برداشت
کریں گے۔ اور ثابت قدم رہیں گے۔ جماعت کے معاملات میں پوری
رازداری و امانت سے کام لیں گے۔"

مولانا نے فرمایا کہ اس عہد و پیمان میں کون کون حضرات شریک تھے اب سب کے نام یاد نہیں ہیں۔ ہاں مولانا عبد الباری، مولانا منیر الزماں، مولانا آزاد سبحانی کی موجودگی تو یاد ہے۔ میں نے وہاں سے آکر پوری سرگزشت حضرت مفتی صاحب کو سنائی۔ آپ نے مسرت و اطمینان کا اظہار فرمایا۔ غرضکہ بعد نماز عشا کرشنا تھیٹر کے ہال میں میٹنگ ہوئی۔ احتیاط اس قدر مدِنظر تھی کہ کسی صاحب نے اثنائے گفتگو میں انگریزوں کے خلاف کوئی بات کہی تو مولانا ثناء اللہ نے فرمایا بھئی ذرا آہستہ بولیئے "دیوار ہم گوش دارد۔"

راقم الحروف نے سوال کیا کہ آپ نے جو انعقاد جمعیۃ کے مختصر حالات شائع کیے تھے اس میں یہ تفصیل کیوں نہیں دی گئی ہے؟ فرمایا میاں! دکھانا یہی تھا کہ یہ جمعیۃ کسی شخص واحد نے نہیں بنائی بلکہ بہت سے مختلف الخیال علما نے مل کر اپنی متفقہ رائے سے بنائی ہے۔ اور بھئی! عہد و پیمان والی بات تو ویسے بھی کھولنے کی بات نہیں تھی۔ یہ تھا بیان حضرت مولانا احمد سعید کا! اب دیکھئے اور حضرات کیا کہتے ہیں:۔

مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی بغیر کسی تفصیلی واقعہ کے مجملاً فرماتے ہیں:۔

حضرت مولانا عبد الباری نے خدام کعبہ، خلافت کمیٹی اور جمعیۃ علما کا سنگ بنیاد رکھا اور یہ ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے کہ جمعیۃ العلما اور خدام کعبہ کے بانی اور مؤسس حضرت استاذ

ہی تھے (تذکرۂ علمائے فرنگی محل ص۱۱۱) امرتسر میں پہنچکر مولانا موصوف نے اُن علمائے جو تمام ہندوستان سے وہاں جمع ہوئے تھے مشورہ کیا اور پہلے پہل علما کی سیاسی انجمن جمعیۃ علما قائم ہوئی۔ (حسرۃ الآفاق ص۲۶)

مولانا ابوالوفا ثناء اللہ تحریر فرماتے ہیں:۔

دہلی میں ایک تبلیغی جلسہ ہوا جس میں میں بھی شریک تھا۔ بعد فراغت خاص احباب کی مجلس میں میں نے یہ تحریک کی کہ ہمیشہ کے لئے علما کی ایک جماعت منتظم ہونی چاہئے اس جلسے میں مولانا ابراہیم سیالکوٹی کے علاوہ اور کئی اصحاب میرے ہم رائے شریک تھے۔ انھوں نے میری تائید کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمعیۃ العلما کا ایک خام ساڈھانچہ تیار ہو گیا۔ جس کے صدر مولانا کفایت اللہ صاحب اور ناظم مولوی احمد سعید صاحب مقرر ہوئے (اخبار اہلِ حدیث امرتسر مورخہ ۲۶ محرم ۱۳۶۱ھم ۱۳ فروری ۱۹۴۲ء)

بظاہر ان تینوں بیانوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے اور نہ بہ توافق ان میں یہ ہے کہ ایک طبقے کو حضرت مولانا عبدالباری نے ہموار کیا اور ایک طبقے کو مولانا ثناء اللہ نے سنبھالا۔ اور خلوص وللہیت کے ساتھ سب کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا۔ اب کیا فرماتے ہیں زاویانِ تاریخی دستاویز جمعیۃ علما نمبر؟ فرمایئے کون ہے موجودہ شکل میں جمعیۃ علمائے ہند کا مؤسس؟

وہ علما جو صدیوں سے ایک دوسرے کے خلاف اختلافی و فروعی مسائل میں نبرد آزما تھے۔ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے تھے۔ ایک دوسرے کے خلاف گروہ بندی کرتے اور مناظروں کے اکھاڑے جاتے تھے اور انھیں اختلافات کے نتیجے میں دہلی کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر قتل وخون تک نوبت پہنچی۔ ان سب کا ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جانا اور ایک جماعت میں منسلک ہو جانا آسان نہ تھا۔ جیسا کہ "مختصر حالات انعقاد" میں اس کی وضاحت کی گئی ہے

اور کوئی جماعت نہیں بنتی جب تک کہ خارج میں اس کے اسباب و دواعی اور دلوں میں اس کی ضرورت کے جذبات و احساسات پیدا نہ ہو جائیں۔

اور رب العزۃ اپنی رحمت سے نوازے اُن نفوسِ قدسیہ کو جنھوں نے وقت کی نزاکت کو پہچانا اور اتنی بڑی قربانی پیش کی۔ اور آنے والوں کے لئے ایک راہ بنا گئے۔ مگر پھر بھی اصل بانی و مؤسس جو کہ ٹی بھی تھا وہ معاملے کی پیچیدگی اور علما کی نازک مزاجی کو سمجھتا تھا۔ اور وہ اس جماعت کو مسلمانوں کی ایک متحدہ طاقت بنانا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ جماعت کسی ایک گروہ کی طرف منسوب ہو کر رہ جائے۔ ورنہ دوسرے مکاتیب خیال کے علما ذوق و شوق کے ساتھ جماعت میں شامل نہیں ہوں گے۔ ان وجوہ کی بنا پر بانی نے عمر بھر اپنے آپ کو ظاہر نہیں ہونے دیا اور اپنے نام کا پروپیگنڈا نہیں کیا۔ ظرف کی یہ گنجائش کیا قابلِ داد نہیں ہے؟

اور جبکہ اصل بانی و مؤسس کا نام مطبوعہ روداد "مختصر حالات انعقاد" میں ظاہر نہیں کیا گیا اور اس کا نام دائر ہے۔ انھیں پچیس میں جس طرح صلوۃ وسطی دائر ہے پانچ اوقات میں تو ہم بھی یہی کہیں گے کہ وہ پچیس علما سب کے سب جمعیۃ علمائے ہند کے بانی و مؤسس ہیں۔

حق شناسی

آج جبکہ ان میں سے اکثر اس عالمِ ناپائدار سے جا چکے ہیں ذمہ دارانِ جمعیۃ کا فرض تھا کہ ان کا تعارف کراتے اور اُن میں سے ہر ایک کے حالات مرتب کرتے۔ اُن میں سے بعض مشہور و متعارف ہیں اور بعض گمنام و غیر مشہور۔ آپ کا فرض تھا کہ سب کی یاد تازہ کرتے افسوس! آپ اپنے محسنوں کو بھول گئے۔ ان کے جسموں کے ساتھ آپ نے ان کی یادوں کو

بھی درج کر دیا۔ اور آج ان میں سے چند نام منتخب کر کے اور چند نئے نام شامل کر کے ایک نئی فہرست مرتب کر لی۔ یہ طرزِ عمل ایک سنجیدہ باوقار اہلِ علم اور حاملِ شریعت جماعت کے افراد کی شان کے لائق نہ تھا۔

نامِ نیکِ رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نامِ نیکت پائدار

اگر یہ کہا جائے کہ جن حضرات کی عظمت اور محنت و جانفشانی کی بدولت جمعیۃ علما نقطۂ عروج پر پہنچی ہے اُن کو اگر بانی و معمارِ اوّل کہہ دیا جائے تو کیا گناہ ہے؟ تو حضور والا اور بھی بہت سے بانی و معمارِ اوّل ہیں جن کو آپ نے فہرست میں شامل نہیں کیا۔ مثلاً حضرت مولانا شبیر احمد صاحب۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی۔ مولانا عبدالقادر قصوری۔ مولانا عبدالحلیم صدیقی۔ مولانا عمر دراز بیگ۔ مولانا احمد علی لاہوری۔ مولانا ابوالوفا شاہجہانپوری۔ مولانا سید داؤد غزنوی۔ مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری۔ مولانا مفتی نثار احمد صاحب۔ مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی۔ مولانا عبداللہ بدایونی۔ مولانا عبدالصمد رحمانی۔ مولانا منت اللہ مونگیری۔ مولانا محمد علی جوہر۔ مولانا فضل الحسن حسرت موہانی۔ مولانا محمد عرفان ناظم جمعیۃ و مدیر اوّل اخبار الجمعیۃ۔ مولانا سید فخر الدین احمد صاحب۔ مولانا سید محمد میاں صاحب مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اور موجودہ بانی و معمارِ اوّل مولانا سید اسعد صاحب مدنی۔ وغیرہم۔

اور بانی و معمارِ اوّل کے الفاظ کے یہ معنی بھی قابلِ داد ہیں! اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ لفظ "بانی" کو بھی بعض تحریرات میں دو تین قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ صفِ اول کے بانی صفِ دوم کے بانی وغیرہ۔

دستورِ اساسی اور پہلی مجلسِ منتظمہ

غرضکہ "جمعیۃ علمائے ہند" کے نام سے علما کی یہ پہلی جماعت تھی جو ہندوستان کی تاریخ میں ایک ہمہ گیر نظام کے ساتھ عصرِ جدید کے تقاضوں اور رجحانات کے مطابق قائم ہوئی۔ اس کے اوّلین اغراض و مقاصد جو حضرت مفتیٔ اعظم مولانا کفایت اللہؒ نے مرتب فرما کر پہلے اجلاس امرتسر میں پیش کیے تھے اور طے ہوا تھا کہ اسی صورت میں مسودہ کو طبع کرا کر شائع کر دیا جائے۔ اور علما کی آراء وصول ہونے کے بعد آئندہ اجلاس میں پیش کیا جائے۔ اور وہ دہلی کے دوسرے اجلاس بصدارت حضرت شیخ الہند میں پیش ہو کر منظور ہوئے۔ وہ یہ ہیں :۔

اساسی اصول ۔ دفعہ ۱ ۔ اس انجمن کا نام "جمعیۃ علمائے ہند" ہوگا۔

دفعہ ۲ ۔ اس جمعیۃ کا صدر دفتر دہلی میں رہے گا۔

دفعہ ۳ ۔ جمعیۃ کی ایک مہر ہوگی جس پر الجمعیۃ المرکزیۃ لعلماء الھند کندہ ہوگا۔

اغراض و مقاصد ۔ دفعہ ۴ ۔ اس جمعیۃ کے اغراض و مقاصد حسبِ ذیل ہوں گے :۔

الف ۔ ہر قسم کے خارجی اثرات کا (جن سے مذہب اسلام یا مشترکہ اسلامی قومیت کی تخریب یا تضعیف ہوتی ہو) شرعی احکام کے مطابق مدافعت کرنا۔

ب ۔ مشترکہ مذہبی حقوق کی نگہداشت اور مشترکہ مذہبی و ملکی ضروریات کی تحصیل میں کوشش کرنا۔

ج۔ عامۂ اہلِ اسلام کی مذہبی نقطۂ نظر سے سیاسی رہنمائی کرنا۔

د۔ مشترکہ مذہبی و قومی اغراض میں مسلمانوں کے متفق رہنے کی کوشش کرنا۔

ہ۔ دیگر غیر مسلم برادرانِ وطن کے ساتھ بمقتضائے فطرت وباتباع احکام شریعت ہمدردی و اتفاق کو ترقی دینا۔

و۔ شرعی ضرورتوں کے لحاظ سے فصل خصومات کے لئے محکمۂ دارالقضا قائم کرنا۔

(جمعیۃ علمائے ہند کے اساسی اصول و آئین وضوابط مطبوعہ غنی المطابع دہلی ۱۳۳۹ھ)

اور سب سے پہلی مجلس منتظمہ جو اجلاس اوّل امرتسر میں بنی۔ اس کے ۲۳ ارکان تھے۔ وہ مندرجۂ ذیل ہیں:۔

دہلی سے۔ مولانا محمد کفایت اللہ صاحب۔ مولانا احمد سعید صاحب۔ حکیم محمد اجمل خانصاحب۔

یو۔پی سے۔ مولانا عبدالماجد صاحب بدایونی۔ مولانا سید محمد فاخر صاحب الہ آبادی۔ مولانا سلامت اللہ صاحب۔ مولانا حسرت موہانی۔ مولوی منظہر الدین صاحب۔

بنگال سے۔ مولانا محمد اکرم خاں صاحب۔ مولانا منیر الزماں صاحب۔

بہار سے۔ مولانا محمد سجاد صاحب۔ مولانا رکن الدین صاحب دانا۔ مولوی خدا بخش صاحب۔

سندھ سے۔ مولوی پیر تراب علی صاحب۔ مولوی عبداللہ صاحب۔ مولوی محمد صادق صاحب۔

پنجاب سے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب۔ مولوی سید داؤد صاحب۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی۔

بمبئی سے۔ مولوی عبداللہ صاحب۔ مولوی عبدالمنعم صاحب بانکنظہ۔ مولوی سیف الدین صاحب۔ حکیم ابویوسف اصفہانی۔

ترکِ موالات کا فتوےٰ

جمعیۃ علمائے ہند نے سب سے پہلی دفعہ ترک موالات کی تجویز اپنے خاص اجلاس کلکتہ منعقدہ ۸؍ستمبر ۱۹۲۰ء زیر صدارت حضرت مولانا تاج محمود صاحب سندھی میں پاس کی تھی۔ جس میں دو سو علما شریک تھے۔ یہ تجویز مولانا ابوالکلام آزاد نے پیش کی تھی۔ (اخبار زمانہ کلکتہ شمارہ ۵۵ جلد ۱ مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۲۰ء) اس کے بعد پانسو علما کے دستخطوں سے ترک موالات کا فتویٰ شائع ہوا۔ یہ فتویٰ (یعنی جواب استفتا) حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمتہ اللہ علیہ نائب امیر الشریعۃ صوبہ بہار نے تحریر فرمایا تھا۔

اور ترک موالات یا عدم تعاون کی بنیاد تو جمعیۃ علمائے ہند کے قیام سے بھی ایک دو دن پہلے پڑ چکی تھی جبکہ مورخہ ۲۳ نومبر ۱۹۱۹ء کو خلافت کانفرنس میں مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ نے جشن فتح کے خلاف رزولیوشن پیش کیا تھا۔ اس کی مختصر روئداد مندرجہ ذیل ہے:۔

خلافت کانفرنس میں ہر ایک صوبہ کے نمائندے اور ہر ایک طبقے اور خیال کے قائم مقام موجود تھے۔ علمائے کرام کی جانب سے رزولیوشن کی تحریک پیش کی گئی اور اس کی تائید ہر ایک خیال اور طبقے کے مسلمانوں نے کی۔ مولانا کفایت اللہ صاحب دہلی نے تحریک پیش کرتے ہوئے فرمایا:۔

شرعاً ایسی حالت میں کہ مقامات مقدسہ خلیفۃ المسلمین کے قبضے سے باہر ہیں اور بغداد شریف و بیت المقدس و نجف اشرف وغیرہ غیر مسلموں کے قبضے میں ہیں مسلمان کسی طرح ایسی صلح کی خوشی میں شریک نہیں ہو سکتے۔ جس کا نتیجہ اس وقت تک اس کے سوا کچھ نہیں نکلا، کہ امیر المومنین خلیفۃ المسلمین کے قبضۂ اقتدار سے ان کے ممالک نکال لیے گئے ہیں اور اسلام کی

دنیوی طاقت اور اقتدار کو زائل کیا جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں طبقۂ علما سے ہوں۔ اور شرعی نقطۂ نظر سے کہتا ہوں کہ مسلمان کسی طرح ایسی صلح کی خوشی میں شریک نہیں ہو سکتے اور اگر ہوں گے تو شرعاً گنہ گار ہوں گے۔

رزولیوشن یہ ہے :۔ (یہ جلسہ اُن دلدوز واقعات کو پیشِ نظر رکھ کر جو سلطنت ترکی، خلافت، مقامات مقدسہ اور سلطنت ایران کے متعلق اس صلح کے نتیجے کے طور پیش آئے، مذہبی نقطۂ نظر سے تجویز کرتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو جشن فتح میں کوئی حصہ نہ لینا چاہیئے)

مذکورہ رزولیوشن کی تائید میں مندرجہ ذیل حضرات نے بڑی پُر جوش تقریریں کیں اور باتفاق رائے پاس ہوا۔ مولانا شاہ ولایت حسین الہ آبادی۔ نواب حاجی محمد موسیٰ خاں صاحب شروانی، مولانا محمد داؤد صاحب امرتسری۔ مسٹر محمد حسین بیرسٹر میرٹھ۔ مولانا سید محمد فاخر صاحب الہ آبادی۔ سیٹھ میاں محمد حاجی جان محمد صاحب چھوٹانی بمبئی۔ قاری عباس حسین صاحب ایڈیٹر قوم۔ مہاتما گاندھی وغیرہ۔

اس کے بعد مندرجۂ ذیل فتویٰ بھی شائع کیا گیا۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ چونکہ صلح کا مسئلہ معرض التوا میں پڑا ہوا ہے۔ مقامات مقدسہ خطرے میں ہیں۔ بیت المقدس اور بغداد شریف غیر مسلموں کے قبضے میں ہیں۔ مسلمانوں کے قبضے سے مرکز خلافت یعنی قسطنطنیہ کو نکالنے کی تدابیر پیہم ہو رہی ہیں۔ کیا بحالاتِ موجودہ مسلمانوں کو جشن صلح یا فتح کی خوشی میں شریک ہونا جائز ہے؟ خصوصاً جبکہ خلافت کے اقتدار زائل ہونے اور حرمین شریفین کی حرمت زائل ہونے اور اُن پر غیر مسلم سیادت قائم ہونے کا جانکاہ خطرہ پیشِ نظر ہے۔ المستفتی آصف علی سکریٹری خلافت کمیٹی دہلی۔

جواب۔ بحالاتِ موجودہ مسلمانوں کو تا وقتیکہ معاملات کا فیصلہ شرعی نقطۂ نظر سے ان

کے جذبات کے موافق ہوجائے۔ جشن صلح یا فتح کی خوشی اور مسرت میں شریک ہونا قطعاً ناجائز ہے۔ فقط۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ۔

الجواب صحیح۔ احمد سعید واعظ۔ محمد انیس عفا اللہ عنہ نگرامی۔ خواجہ غلام نظام الدین قادری مفتی بدایونی۔ سید محمد فاخر بیخود فخری اجملی الہ آبادی۔ سید کمال الدین احمد جعفری الہ آباد۔ محمد قدیر بخش عفا اللہ عنہ۔ مولوی تاج محمد امروٹ۔ محمد ابراہیم عفی عنہ انجمن اسلامیہ دربھنگہ۔ خدا بخش مظفر پوری۔ محمد سلامت اللہ فرنگی محلی۔ محمد امام صاحبزادہ حضرت پیر صاحب العلم سندھ۔ اسد اللہ حسینی مکھڑا ہی سندھی۔ مولا بخش مدرس تقویۃ الاسلام امرتسر۔ ابراہیم سیالکوٹی۔ محمد عبد الحکیم مدرس دوم جی مدرسہ انوار العلوم گیا۔ محمد صادق عفی عنہ کراچوی۔ سید محمد داؤد غزنوی امرتسر۔ سید اسمٰعیل غزنوی امرتسر۔ ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری۔ محمد عبد اللہ عفی عنہ (مسئلہ خلافت و جشن صلح مطبوعہ جے اینڈ سنز پریس دہلی۔)

جمعیۃ علمائے ہند کا دُوسرا اجلاس

اجلاس دوم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں بمقام نور گنج دہلی یعنی پل بنگش اور باڑہ ہندو راؤ کے درمیان ہوا تھا۔ بتاریخ ۱۹، ۲۰، ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء مطابق ۷، ۸، ۹ ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ مگر حضرت ممدوح ان ایام میں سخت علیل تھے۔ ڈاکٹر انصاری کی کوٹھی واقع دریا گنج میں مقیم تھے۔ خطبۂ صدارت آپ کے حکم سے مولانا کفایت اللہ صاحب نے تحریر فرمایا تھا۔ (نقش حیات جلد دوم ص ۲۵۹) حکیم اجمل خاں صاحب صدر مجلس استقبالیہ تھے۔ انھوں نے اپنا خطبۂ صدارت سنانے کے بعد اعلان فرمایا کہ اگرچہ اس کانفرنس کی صدارت کے لئے حضرت شیخ الہندؒ کا اسم گرامی

آپ سب حاضرین نے باتفاق رائے منظور کیا ہے لیکن افسوس کہ وہ اپنی شدید علالت کی وجہ سے اجلاس میں تشریف نہیں لا سکتے۔ اس لئے خطبۂ صدارت ہمارے فاضل علامہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب پڑھ کر سنائیں گے اور صدارت کی خدمت بھی انجام دینگے۔

چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے خطبۂ صدارت سنایا اور کانفرنس کی صدارت بھی کی۔

(مفصل روئداد کارروائی اجلاس دوم دہلی قلمی غیر مطبوعہ) حضرت شیخ الہند کے مطبوعہ خطبے کے ٹائیٹل پر بھی لکھا ہے کہ "مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب نائب صدر جمعیتہ نے پڑھ کر سنایا۔" اور روئداد مدرسہ امینیہ دہلی ۳۷ تا ۴۲ھ صفحہ ۸ پر بھی اس کا ذکر ہے۔ مولانا مدنی سے تسامح ہوگیا ہے۔ نقش حیات میں انھوں نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت شیخ کا خطبۂ صدارت مولانا شبیر احمد صاحب نے پڑھ کر سنایا تھا۔ یہ غلط فہمی غالباً اس وجہ سے ہوئی کہ ۹ ربیع الاول کے آخری اجلاس میں مولینا شبیر احمد صاحب نے ترک موالات پر ایک طویل مضمون پڑھ کر سنایا تھا۔ پھر جلسے کے اختتام پر حضرت شیخ الہند کی اختتامی تقریر مولانا مرتضیٰ حسن صاحب مراد آبادی نے پڑھکر سُنائی۔

حضرت اقدس کا جسم مبارک تو ڈاکٹر انصاری کی کوٹھی میں تھا۔ مگر ساری توجہ اور قلب اجلاس میں رہتا تھا۔ پہلی نشست کے بعد مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب حاضر خدمت ہوئے تو بیتابانہ لہجے میں اجلاس کی کیفیت دریافت فرمائی اور مفتی صاحب کے اس جواب پر کہ حضور کے انفاس طیبہ اور توجہات قدسیہ کی برکت سے اجلاس نہایت کامیاب ہوا۔ بیساختہ الحمد للہ فرمایا اور کچھ دیر سکوت کا عالم رہا پھر فرمایا کہ میری یہی تمنا تھی کہ جمعیتہ علما کا اجلاس کامیاب ہو اور تمام علما مل کر امت محمدیہ کی کشتی کو پار لگائیں اور مسلمانوں کو غلامی کی ذلت سے نکالیں (روئداد مدرسہ امینیہ دہلی ۳۷ تا ۴۲ھ)

حضرت شیخ الہند کی مدت اسیری

آپ جب ہندوستان سے روانہ ہوئے تو بمبئی سے ۳ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ کو جہاز روانہ ہوا تھا اور ۲۰ رمضان ۱۳۳۸ھ کو واپس بمبئی تشریف لائے یعنی تقریباً چار سال دس ماہ حضور اقدس ہندوستان سے باہر رہے۔ جس میں سے مدت اسیری تین سال دو ماہ ہے۔ (جمعیۃ علما نمبر میں جو مدت اسیری پانچ سال لکھی گئی ہے وہ غلط ہے) حضرت اقدس کے ہندوستان سے باہر تشریف رکھنے کے زمانے میں ہندوستان میں جمعیۃ علما قائم ہوئی اور اس کے کلکتے کے اجلاس میں یہ تجویز منظور ہوئی کہ جمعیۃ علما کا اجلاس سالانہ دہلی میں منعقد کیا جائے اور اس کی صدارت کے لئے بالاتفاق حضرت اقدس کا نام نامی تجویز کیا گیا۔ (روئداد مدرسہ امینیہ دہلی ۳۰ تا ۴۲ صفحہ)

ان تمام دلائل و شواہد کے ہوتے ہوئے یہ دعوی کرنا کہ جمعیۃ علما حضرت شیخ نے مالٹا سے واپس آکر قائم کی تھی۔ اور موجودہ شکل میں اس کے موسس حضرت شیخ الہند یا مولانا حسین احمد مدنی تھے۔ روایۃً بھی اور درایۃً بھی کسی طرح درست نہیں اور حضرت مولانا مدنی خود بھی تحریر فرماتے ہیں کہ جمعیۃ کا انعقاد حضرت شیخ کی رہائی سے پہلے ہو چکا تھا (نقش حیات جلد دوم ص ۲۵۸) معلوم نہیں اس قسم کے دعاوی سے موجودہ ذمہ داران جمعیۃ کا مقصد کیا ہے؟ نہ تو اس سے حضرت اقدس کی تعظیم و تکریم میں کوئی اضافہ ہوتا ہے نہ جمعیۃ کی توقیر میں۔ بلکہ حقیقی توقیر و تعظیم تو اصل حقیقت کے اظہار میں ہے کہ جس کی اعلیٰ تربیت اور توجہ باطنی نے ایسے باکمال اور جلیل القدر تلامذہ پیدا کیے وہ خود کتنا باعظمت انسان ہوگا!

ابتدا ہی سے تھا درس جنوں یہ بصیرت تھی مرے استاد کی

حضرت شیخ الہند کا خیر مقدم

(از مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ قدس سرہ)

قدوۂ اہلِ یقیں و زبدۂ اربابِ دیں
پیشوائے سالکین و مقتدائے عارفین

محرمِ اسرارِ وحدت ہادیٔ مسترشدیں
قافلہ سالارِ عرفاں رہبرِ راہِ یقیں

جاں نثارانِ جمالِ لم یزل کے رہنما
راز دارانِ بقا کے صدرِ مجلس بالیقیں

حافظ و شیخ الحدیث و رحلۂ و حجت امام
وقت کے ابنِ مبارک ثانیٔ ابنِ معیں

مایۂ صد نازِ اہلِ ہند فخرِ مومناں
فخرِ جانبازانِ ملت فخرِ خیلِ صادقیں

پیکرِ حقانیت و اخلاص کے مہرِ منیر
افتخارِ ملک و ملت حامیٔ دینِ مبیں

اہلِ ایماں کے لئے کافی ہے ان کا اتباع
انکی الفت مخلصوں کے واسطے حصنِ حصیں

آپ کا چہرہ ہے یا آئینۂ حقانیت
قلب ہے حضرت کا یا اللہ کا عرش بریں

قلبِ مومن میں سماتا ہے خدائے ذوالجلال
مخلصوں کے دل ہیں عرشِ پاک ربِ العالمیں

دورِ حاضر میں صداقت استقامت کی مثال
ان سے بہتر تم کو مل سکتی نہیں ہرگز کہیں

خوفِ غیر اللہ کا دل میں گزر ہو کیا مجال
پاک ظاہر، پاک باطن پاک دل اور پاک دیں

وعدہ ہائے وصلِ محبوبِ ازل پیشِ نظر
جس کے ہو جائیں وہ باطل سے ڈرے ممکن نہیں

ضیغمِ حقانیت شیرِ وغا مردِ خدا
نام ہی سے جس کے بھاگے فوجِ شیطانِ لعیں

استقامت وہ دکھائی جس سے ششدر رہ گئے
دشمنانِ بد گہر اور حاسدان کا تخمیں

جبر و استبداد کی تھیں جتنی چیرہ دستیاں
نقشِ سطحِ آب سے زیادہ نہ قائم رہ سکیں

چیرہ دستی جبر و استبداد کی ہے باد مشت
سرفروشانِ رضا پر اس کا کچھ قابو نہیں

جبرِ و استبداد کی اس تلملاتی دھوپ میں
سایۂ طوبیٰ تھا بیشک ان کا ظلِ آستیں

آپ کی ہی مخلصانہ کوششوں سے آج ہیں
جبر و استبداد قعرِ رنج و غم میں تہ نشیں

خوفِ حاکم، خوفِ عزت، خوفِ فخر و خوفِ جان
کر دیا سب کو فدائے خوفِ ربُ العالمیں

حبِ جان و حبِ جاہ و حبِ اہل و حبِ مال
سب کی سب ہی حبِ مولیٰ پہ سے قرباں ہو گئیں

نقشِ تقویٰ نقشِ حقانیت و نقشِ عمل
نقشِ اخلاص و وفا سب اسکے ہیں نقشِ نگیں

فیضِ علمی سے تمہارے ہی بنا تھا دیوبند
رشکِ گلزارِ جناں و غیرتِ خلدِ بریں

چہچہاتے رہتے تھے ہر وقت مرغانِ چمن
رات دن بیدار تھی نرگس کی چشمِ خوابگیں

مامنِ حق سے چلے جب صلحِ کل ہو کر اسیر
کیوں نہ لرزے آسماں اور کیوں نہ تھرائے زمیں

جو خدا کے گھر میں اسکے دوست کو کرکے اسیر
دشمنانِ حق کو دیدے کون ہے اے مومنیں

مالٹا میں علم و عرفاں کا سمندر تھا اسیر
کیا جزیرے میں سمندر تم نے دیکھا ہے کہیں

نسبتِ خاصانِ حق کا یہ اثر ہے دوستو!
مالٹا جو ایک مکاں تھا ہو گیا دل میں مکیں

گلبنِ ایماں کے خوش رنگ اور رعنا پھول
جس کی فرقت سے تھے سارے اہلِ ہندو اندوہگیں

مخلصو! البشریٰ لکم! مردانِ حق کا قافلہ
ہیبتِ حق جسکی آوازِ جرس کے ہے قریں

آرہا ہے سوئے ہندوستاں نرالی شان سے
نورِ حق چہروں سے روشن دل میں ایمان و یقیں

جس نے سوتوں کو کیا بیدار گہری نیند سے
مالٹا سے آرہا ہے پھر وہی شیرِ عریں

قم باذن اللہ کہکر خلق کو زندہ کیا
پھونک دی مُردہ تنوں میں روحِ ایماں بالیقیں

پہلی مجلس عاملہ

جمعیۃ کی تاسیس کے بعد سے مجلس منتظمہ ہی تمام کام انجام دیتی تھی۔ پھر مجلس منتظمہ کے اجلاس منعقدہ ۱۱، ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۴۰ھ م ۹، ۱۰ فروری ۱۹۲۲ء بمقام دہلی میں پہلی مرتبہ مجلس عاملہ بنائی گئی اور اس کے لئے مندرجہ ذیل نو ارکان منتخب کئے گئے۔ مولانا[1] مفتی محمد کفایت اللہ مولانا[2] عبدالحلیم صدیقی۔ مسیح[3] الملک حکیم اجمل خاں۔ مولانا[4] شبیر احمد عثمانی۔ مولانا[5] عبدالماجد قادری بدایونی مولانا[6] مظہرالدین مدیر الامان۔ مولانا[7] عبدالقادر قصوری۔ مولانا[8] فضل الحسن حسرت موہانی۔ مولانا[9] احمداللہ پانی پتی۔ اس کے بعد اجلاس منتظمہ منعقدہ ۳، ۴، ۵ رجب ۱۳۴۰ھ م ۳، ۴، ۵ مارچ ۱۹۲۲ء بمقام اجمیر میں ارکان مجلس عاملہ کی تعداد بڑھا کر بارہ مقرر کی گئی اور مندرجہ ذیل تین ارکان کا اضافہ کیا گیا۔ مولانا[10] آزاد سبحانی۔ مولانا[11] عبدالقدیر بدایونی۔ مولانا[12] محمد ابراہیم سیالکوٹی۔ (ہفتہ وار مسلم جلد ۲ شمارہ ۱۵ و ۱۸)

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

یہاں تک مقالہ لکھا جا چکا تھا کہ اخبار الجمعیۃ سنڈے ایڈیشن مورخہ ۷ اگست ۱۹۶۶ء سامنے آیا۔ اس میں ایک بڑی مزیدار تازہ تصنیف داستان نظر سے گزری۔ اخبار میں ایک سرکلر ۶۶/۴۶ شائع ہوا ہے جو ممبر سازی کے سلسلے میں مولانا اسعد مدنی ناظم عمومی جمعیۃ علمائے ہند نے جاری کیا ہے۔ اس میں آپ کو جمعیۃ کی تاریخ بیان فرمانے کی بھی ضرورت پیش آئی۔ تمہید میں آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

حضرت شیخ الہند مالٹا کے جیل خانے میں بھی اپنے ملکی حالات سے پوری طرح باخبر رہے۔ مالٹا میں اس وقت ترکی جرمنی وغیرہ کے مشاہیر رہنما بہت بڑی تعداد میں نظر بند کیے گئے تھے۔

ان رہنماؤں سے حضرت شیخ الہند کا تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔ اس تبادلۂ خیال کے نتیجے میں یہ طے کیا گیا کہ اب ہندوستان میں جنگ آزادی عدم تشدد اور ہندو مسلم اتحاد کے ساتھ لڑی جائے۔ جنگ آزادی کا یہ پروگرام ترکی پہنچایا گیا اور ترکی سے یہ پروگرام ڈاکٹر انصاری صاحب ہندوستان لائے۔ ڈاکٹر انصاری صاحب نظر بندانِ اسلام کی امداد کے سلسلے میں ترکی تشریف لے گئے تھے۔ ہندوستان میں انھوں نے انجمن نظر بندانِ اسلام قائم کی تھی۔ اور اسی انجمن کی طرف سے وہ ترکی گئے تھے۔ ڈاکٹر انصاری صاحب نے یہاں واپس پہنچ کر مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب۔ مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب اور سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب اور دوسرے حضرات کو جمع کیا اور اس اجتماع میں یہ طے کیا گیا کہ ملک کی آزادی کے لئے مشترک پلیٹ فارم ہونا چاہیئے اور اس پلیٹ فارم کو مضبوط اور مؤثر بنانے کے لئے علمائے کرام کی تنظیم بھی نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ اسی پروگرام کے مطابق آگے چل کر مہاتما گاندھی جی کی رہنمائی میں تحریک ترک موالات چلائے جانے کا فیصلہ ہوا۔ علما کی تنظیم کے سلسلے میں جمعیۃ علمائے ہند کا پہلا اجلاس بصدارت حضرت مولانا عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ ۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء تا یکم جنوری ۱۹۲۰ء امرتسر میں منعقد ہوا۔"

ناظم عمومی صاحب بڑی دور کی کوڑی لائے ہیں مگر اس تاریخی تمہید میں انھوں نے جو کچھ کہا ہے وہ اُس کے خلاف ہے جو وہ پہلے کہہ چکے ہیں۔ آپ نے اجلاس گیا کے آخری دن اپنی تقریر میں کہا تھا کہ حضرت شیخ الہند جب مالٹا سے رہا ہو کر تشریف لائے تب جمعیۃ کا قیام عمل میں آیا تھا (اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۲ اپریل ۱۹۶۶ء)

یہ تازہ تصنیف کہانی مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر غلط اور مضحکہ خیز ہے :۔

(۱) ڈاکٹر انصاری طبی مشن لے کر نومبر ۱۹۱۲ء میں بزمانہ جنگ بلقان ترکی گئے تھے۔

اور چھ ماہ بعد یہ مشن واپس آگیا تھا (روشن مستقبل طبع اول صفحہ ۳۰۳) اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۱۵ء میں ہندوستان سے روانہ ہوئے۔ اور ڈاکٹر صاحب ہی نے حضرت کو مطلع کیا تھا کہ آپ کے متعلق سی آئی ڈی کی رپورٹیں نہایت سخت ہیں۔ عنقریب گرفتار ہو جائیں گے۔ اس لئے جلد از جلد حدودِ ہندوستان سے باہر ہو جائیں۔ ڈاکٹر صاحب ہی نے حضرت کی روانگی کے ضروری انتظامات کیئے تھے (نقش حیات صفحہ ۲۰۳)

(۲) ڈاکٹر صاحب نظر بندانِ اسلام کی امداد کے لئے نہیں بلکہ ترک مجروحین جنگ بلقان کے علاج معالجہ کے لئے طبی وفد لے کر گئے تھے۔ وفد کے دیگر معزز ارکان غالباً ڈاکٹر کرنل سید عبدالرحمٰن اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری اور مسٹر شعیب قریشی بھی تھے اور انجمن اعانت نظر بندانِ اسلام ہندوستان کے گرفتار شدہ رہنماؤں کے حالات شائع کرنے، ان کی رہائی کے لئے آئینی جدوجہد کرنے اور ان کی مالی اعانت کے لئے فنڈ جمع کرنے کے سلسلے میں ۴ نومبر ۱۹۱۷ء کو قائم ہوئی تھی۔ راجہ سر محمد علی محمد خاں آف محمود آباد اس کے صدر تھے۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور ڈاکٹر کرنل سید عبدالرحمٰن جنرل سکریٹریان تھے۔ شروع شروع میں یہ انجمن پوشیدہ طور پر کام کرتی رہی۔ ۲۹ جنوری ۱۹۱۸ء کو جنرل سکریٹریان نے اس کے باقاعدہ اغراض و مقاصد اور پروگرام اور فہرست ارکان شائع کی۔ ڈاکٹر صاحب جب ترکی گئے تھے اس وقت انجمنِ مذکورہ کا وجود بھی نہ تھا۔

(۳) مالٹا میں حضرت شیخ الہند کا سیاسی حالات سے باخبر رہنا اور ترکی و جرمنی رہنماؤں سے تبادلۂ خیال کر کے ہندوستان کی آزادی کے لئے جدید پروگرام بنانا اور پھر اس پروگرام کا ترکی پہنچ جانا وغیرہ ان امور کا تاریخی ثبوت نہیں پیش فرمایا گیا؟ اور ڈاکٹر صاحب تو ہندوستان میں تھے وہ کب ترکی سے پروگرام لائے؟ اور کب انھوں نے مولانا کفایت اللہ وغیرہ کو جمع

کرکے علماء کی تنظیم کا مشورہ دیا؟ اور وہ کون ترک تھے جن کے ذریعے سے پروگرام ترکی پہنچا اور حضرت کو جیل خانے میں ہندوستان کے سیاسی حالات سے باخبر رکھنے والے بھی ترک ہی ہوں گے؟

اور ترکی و جرمنی رہنماؤں سے تبادلۂ خیال اور مشورے کے بعد ہندوؤں کے ساتھ اشتراک عمل کا نظریہ قائم کیا گیا تو راجہ مہندر پرتاب جو حضرت شیخ الہند کے ساتھ پہلے سے شریک کار تھے وہ کون تھے؟

پہلے تولو پھر بولو

اسی سرکلر میں آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

سابق دستور کے مطابق جماعت کا مستقل صدر جماعت کے اجلاس عام کی صدارت نہیں کرتا تھا بلکہ اجلاس عام کی صدارت کے لئے ملک کے قابل صد احترام مشاہیر علمائے کرام میں سے کسی ذات گرامی کا انتخاب کیا جاتا تھا جمعیۃ علماء کے گیارہویں اجلاس منعقدہ دہلی ۱۹۳۹ء کے بعد دستور اساسی میں تبدیلی ہوئی اور یہ طے پایا کہ جو بزرگ اجلاس عام کی صدارت فرمائیں وہی اگلے اجلاس عام تک جمعیۃ علمائے ہند کے صدر رہیں" ۔ الخ۔

اس کا کوئی حوالہ اور سند پیش نہیں کی گئی۔ ہمیں معلوم نہیں کہ ایسا کوئی قانون بنایا گیا تھا جس کی رو سے جماعت کے صدر کے لئے اجلاس عام کی صدارت ممنوع تھی۔ ہمارے سامنے جو مطبوعہ دستور اساسی ہے اس میں تو ایسی کوئی دفعہ موجود نہیں ہے۔

اور یہ تو فرمایئے کہ پہلے جو طرز عمل تھا وہ زیادہ جمہوری تھا جس میں دس گیارہ مشاہیر داعیان قوم کے ذریع ارشادات اور خطبات ہمیں نصیب ہوئے اور جماعت کے صدر نے محض

خدمت کو اپنا شعار اور نصب العین بنائے رکھا) یا یہ دوسرا طرز عمل جو دستور میں ترمیم کے بعد قانون کی طاقت سے اختیار کیا گیا زیادہ جمہوری ہے ؟

میرے بھائی! ہیر پھیر کی باتیں کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اجلاس مراد آباد منعقدہ ۱۹۳۹ء میں دستور کے اندر جو ترمیمات کی گئیں اس کے پس منظر اور ماله و ما علیه کی ریسرچ کیجئے۔ نادان دوستوں کے بہکائے میں نہ آیئے۔ بلکہ خود اپنے اندر سوجھ بوجھ۔ حق شناسی۔ راست بازی اور وسعت خیال پیدا کیجئے۔ آپ بہت بڑی ذمہ داری کی جگہ پر فائز ہیں۔ اشاروں میں بات کو سمجھ لیجئے۔ آگے حد ادب۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ کہہ گئے ہیں۔ ہر کہ سخن نسنجد از جواب برنجد۔

تا نیک ندانی کہ سخن عین صوابست — باید کہ بگفتن دہن از ہم نکشائی

گر راست سخن گوئی و در بند بمانی — بہ زانکہ دروغت دہد از بند رہائی

پچیس یا ستائیس

"مختصر حالات انعقاد" میں جن علمائے کرام کی موجودگی ظاہر کی گئی ہے۔ ان کی تعداد پچیس ہے لیکن ان کے علاوہ دو۲ حضرات ایسے بھی ہیں جن سے ہم کسی طرح صرف نظر نہیں کر سکتے۔ ایک مولوی مظہر الدین ایڈیٹر الامان۔ دوسرے حضرت ابوالمحاسن مولانا محمد سجاد قدس سرہٗ (نائب امیر الشریعت صوبہ بہار)

اول الذکر کا کردار بعد کے زمانے میں کچھ بھی رہا ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ ابتدائی مذاکروں اور مشوروں میں ان کی شرکت ثابت ہے۔ اگرچہ آخری نشست جس میں جمعیۃ علمائے ہند کی تاسیس ہوئی۔ اس میں اتفاق سے وہ شریک نہ تھے۔ مختصر

حالات انعقاد میں ان کا نام اس طرح مذکور ہے :۔

"مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب نے تحریک کی کہ جمعیۃ علمائے ہند کے لئے بالفعل کوئی عارضی صدر اور عارضی ناظم مقرر کر دیا جائے۔ تاکہ امور ضروریہ کے انصرام کی ایک آسان سبیل میسّر ہو جائے۔ اور صدارت کے لئے میں مولانا مولوی محمد کفایت صاحب کا نام اور نظامت کے لئے مولانا حافظ احمد سعید صاحب کا نام پیش کرتا ہوں۔ اگرچہ مولانا مولوی محمد کفایت اللہ صاحب نے قبول صدارت سے بہت کچھ عذر کیا لیکن حضرات حاضرین نے اس تحریک کو جس کی تائید مولانا سلامت اللہ صاحب و مولانا مظہر الدین صاحب و مولانا محمد اکرم خاں صاحب و دیگر علما کر چکے تھے منظور کر دیا۔" الخ

حضرت مولانا محمد سجاد قدس سرہٗ (المتوفی ۱۸ شوال ۱۳۵۹ھ بمقام پھلواری شریف) اگرچہ اس موقع پر دہلی تشریف نہیں لا سکے۔ مولانا عبد الحکیم گیاوی جو ان کے خاص شاگرد اور معتمد رفیق کار تھے۔ ان کے نمائندے اور قائم مقام کی حیثیت سے خلافت کانفرنس کی شرکت کے لئے دہلی تشریف لائے تھے۔ اور جمعیۃ کی تاسیس والے اجتماع میں بھی شریک ہوئے تھے لیکن ابتدائی تخیّل میں مولانا سجاد کا بھی عظیم الشان کردار ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے ان امور پر روشنی پڑتی ہے :۔

مولانا ثناء اللہ اپنے خطبۂ استقبالیہ جمعیۃ کانفرنس امرتسر منعقدہ ۱۳ فروری ۱۹۴۲ء میں تحریر فرماتے ہیں :۔

جن دنوں وزیر ہند مارلے ہندوستان میں آئے جن کی یاد میں منٹو مارلے اسکیم مشہور ہے۔ لکھنؤ میں علما کی ایک مجلس حسب تحریک مولانا عبد الباری صاحب منعقد ہوئی۔ پنجاب سے مجھے بلایا گیا۔ مجلس مذکور میں تجویز پاس ہوئی کہ علما کا ایک وفد

وزیرِ ہند کی خدمت میں مسلمانوں کی مذہبی ضروریات پیش کرے۔ چنانچہ یہ وفد پیش ہوا۔ میں اس کی تفصیل میں نہیں جاتا۔ صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اسی مجلس علما میں میں نے یہ تجویز پیش کی کہ سیاسیات میں مذہبی رہنمائی کرنے کے لئے علما کی ایک جماعت ہمیشہ کے لئے منظم ہونی چاہیئے۔ متواتر دو روز اس تجویز پر بحث ہوتی رہی مگر خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے بعد دہلی میں ایک تبلیغی جلسہ ہوا جس میں میں بھی شریک تھا۔ بعد فراغت خاص احباب کی مجلس میں میں نے یہ تحریک کی کہ ہمیشہ کے لئے علما کی ایک جماعت منظم ہونی چاہیئے۔ اس جلسے میں مولانا ابراہیم سیالکوٹی کے علاوہ اور کئی اصحاب میرے ہم رائے شریک تھے۔ انہوں نے میری تائید کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمعیۃ العلما کا ایک خام ساڈھانچا تیار ہو گیا۔ جس کے صدر مولانا کفایت اللہ صاحب اور ناظم مولوی احمد سعید صاحب مقرر ہوئے۔ اس کے تھوڑے عرصے بعد امرتسر میں مسلم لیگ کا جلسہ ہونے والا تھا۔ اسی اُمید پر میں ان دونوں صاحبوں کو جمعیۃ العلما کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے امرتسر آنے کی دعوت دے آیا۔ تاکہ امرتسر میں اعیانِ اسلام کو جمعیۃ العلما میں شرکت کی تحریک کی جائے۔ اسلامیہ اسکول کی ایک کوٹھری میں ان دونوں صاحبوں کے قیام کا انتظام کیا گیا۔ ان کے ساتھ تیسرا میں داعی ہوتا۔ یہ کوٹھری کیا تھی گویا غارِ ثور کا نمونہ تھی۔ ہاں ان دونوں مقاموں میں امتیاز یہ تھا کہ وہاں دو پاک ہستیاں تشریف فرما تھیں اور یہاں دو تین گنہگار مغفرت کے امیدوار بیٹھے تھے۔ جمعیۃ کے اسی تورِی اجلاس میں پہلا ریزولیوشن مولانا محمود حسن نور اللہ مرقدہٗ کے متعلق پاس ہوا۔ اور طے پایا کہ حضرت ممدوح کی رہائی کے لئے وائسرائے کو تار دیا جائے۔ تار کے خرچ کا اندازہ تین روپے کیا گیا۔

۱؎ اس تبلیغی جلسے کا مجھے سراغ نہ مل سکا (واصف)

تار کا سارا خرچ میں نے برداشت کیا۔ تقبل اللہ سعینا۔ یہ تھی جمعیۃ العلما کی پہلی میٹنگ اور پہلا ریزولیوشن جو دراصل آئندہ کے لئے ایک بنیادی پتھر تھا۔ (اخبار اہل حدیث امرتسر مورخہ ۲۶ محرم ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۹۴۲ء)

مولانا قطب الدین عبدالوالی فرنگی محلی نے راقم الحروف (واصف) سے ایک ملاقات میں فرمایا:۔

۱۹۱۸ء میں جبکہ لارڈ مانٹیگو ہندوستان میں آئے تھے۔ انجمن موید الاسلام لکھنؤ کی طرف سے حضرت مولانا عبدالباری قدس سرہٗ نے ہندوستان کے علما کو دعوت دی تھی تاکہ مختلف الخیال علما کو ایک مرکز پر جمع کیا جائے۔ اس میں حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ صاحب۔ مولانا ثناء اللہ صاحب اور مولانا عبدالقدیر بدایونی اور ہندوستان کے دیگر مشاہیر علما تشریف لائے تھے۔ شیعہ علما بھی شریک جلسہ تھے۔ فروعی اختلافات کی وجہ سے اس جلسے کی صدارت کے بارے میں سخت اختلاف ہوا۔ بریلوی علما دیوبندی کی صدارت اور دیوبندی علما بریلوی کی صدارت منظور نہ کر سکتے تھے۔ آخر مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا عبدالقدیر بدایونی نے مولانا عبدالباری سے صدارت منظور فرمانے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ میری حیثیت داعی کی ہے اور یہ جلسہ محض ایک مجلس مشاورت ہے۔ اس کے لئے صدر کی ضرورت بھی نہیں۔ لہٰذا مجھے معذور رکھیئے۔ اس کے علاوہ میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ عرض کیا گیا کہ آپ جامع المتفرقین ہیں اور اس جلسے کی صدارت آپ ہی فرمائیں گے۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ جلسہ ناکام ہو جائیگا۔ غرضکہ بڑے اصرار کے بعد آپ نے جلسے کی صدارت فرمائی۔"

(یہ بیان میں نے ۱۹۴۵ء میں لکھنؤ میں مولانا قطب الدین عبدالوالی کی خدمت میں حاضر ہو کر قلم بند کیا تھا۔ (واصف)

خط حضرت مولانا عبدالباری بنام ڈاکٹر انصاری صاحب۔ دہلی۔ مورخہ ۲ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ م ۴ فروری ۱۹۱۹ء)

مکرمی دام مجدہٗ۔ السلام علیکم۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مجھے لکھا ہے کہ موجودہ حالت کے لحاظ سے ضروری ہے کہ علما کا ایک خاص جلسہ دہلی میں ہو جس میں ہم لوگ اور علمائے دیوبند اور دیگر علما بھی شریک ہوں تاکہ نہایت خلوص اور اتحاد سے اس وقت مناسب رائے مسلمانوں کے لئے قائم کی جائے۔ ایسے وقت جلسے کا انعقاد تو شاید دشوار ہو مگر مفید ضرور ہوگا۔ میں نے ان کو لکھا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو میں لکھتا ہوں میرے نزدیک کوئی معتدل رائے کا شخص اگر ایسا جلسہ تجویز کرے تو امید ہے کہ علما شریک ہوں ورنہ دشواری سے خالی نہیں ہے۔ جیسا مناسب ہو اطلاع کیجئے۔ فقط۔

پھر مولانا موصوف نے مولانا محمد سجاد صاحب کو بھی اسی قسم کا خط لکھا ہوگا۔ جس کا مولانا محمد سجادؒ نے مندرجۂ ذیل جواب دیا:۔

از دفتر انجمن علمائے بہار۔ بمکان مدرسہ انوار العلوم۔ شہر گیا۔ مورخہ ۱۵ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ

تجویز اجتماع علمائے ہند نہایت اہم اور ضروری تجویز ہے۔ بلا ریب ایسا ہی ہونا چاہیئے اور اظہار صداقت میں کسی تردد کو سامنے نہ آنے دینا چاہیئے۔ عرصہ ہوا کہ ایک مرتبہ اسی کے متعلق جناب سے بذریعہ عریضہ میں نے عرض بھی کیا تھا۔ مگر اب تو اس وقت سے بڑھ کر حالت نازک ہو گئی ہے۔ غرض میں نہایت صدق دل سے خوشی کے ساتھ لبیک کہتا ہوں اور اجازت دیتا ہوں کہ اس ناچیز کا نام داعیوں کی فہرست میں درج فرمالیں۔ لیکن مقام جلسہ بلحاظ وسط لکھنؤ زیادہ مناسب ہے۔ تاکہ علمائے بنگالہ کو بھی شرکت میں سہولت ہو۔ اگر وائسرائے بہادر[1] کا قیام، جلسے تک دہلی میں ہو تو وفد کے فوری پیش ہونے کے لحاظ سے

---

[1] اس زمانے میں لارڈ چیمسفورڈ وائسرائے ہند تھے۔ (واضعف)

دہلی انسب ہے۔ (از یادداشت مخطوطہ حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ)

یہی وہ زمانہ ہے جس کا تذکرہ حضرت مولانا احمد سعیدؒ کے بیان میں حضرت مفتی اعظمؒ کے متعلق بھی موجود ہے کہ ۱۹۱۸ء میں رسالہ شیخ الہند کی تالیف کے وقت آپ نے یہ خواہش ظاہر فرمائی تھی کہ علما کی تنظیم ہونی چاہیئے مگر اس وقت کی کوششیں کامیاب نہیں ہوسکیں۔ آخر میں یہ شرف دہلی کے لئے مقدر تھا۔ خلافت کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے دُور دُور سے علما تشریف لائے اور اس سے فارغ ہوکر صرف علما کا جلسہ بھی منعقد کیا گیا اور جشن صلح کے مقاطعہ کا فتویٰ مرتب کیا گیا۔ پھر اسی جلسے میں بڑے پیمانہ پر علما کی ایک آل انڈیا جماعت بنانے کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا۔ اور بڑی بحث و تمحیص کے بعد جمعیۃ علمائے ہند وجود میں آگئی۔ اور حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ کو عارضی صدر اور مولانا احمد سعید کو عارضی ناظم بنایا گیا۔

اس کے بعد دوسرے اجلاس منعقدہ نومبر ۱۹۲۰ء بمقام دہلی میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کو مستقل صدر اور مفتی صاحب کو مستقل نائب صدر بنایا گیا اور مولانا احمد سعید کو مستقل ناظم عمومی بنایا گیا۔ ۳۰ نومبر ۲۰ء کو حضرت شیخ الہند کی وفات ہوگئی حضرت مفتی اعظم ان کے قائم مقام اور نائب صدر کی حیثیت سے امور صدارت انجام دیتے رہے پھر ضابطہ میں مورخہ ۶ ستمبر ۲۱ء کو بہ اجلاس مجلس منتظمہ منعقدہ لکھنؤ تیسرے اجلاس سالانہ تک کے لئے آپ کو صدر منتخب کر لیا گیا۔ پھر تیسرے اجلاس سالانہ منعقدہ ۱۸، ۱۹، ۲۰ نومبر ۲۱ء بمقام لاہور میں آئندہ کے لئے بھی آپ کی صدارت کی توسیع کر دی گئی۔ اس طرح آپ نے جمعیۃ کے بارہویں اجلاس عام منعقدہ ۷، ۸، ۹ جون ۱۹۴۰ء بمقام جون پور زیر صدارت حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے پہلے پہلے تقریباً پونے بیس سال تک فرائض صدارت انجام دیئے۔ (روئدادہائے مطبوعہ جمعیۃ علمائے ہند)

اسی اجلاس جونپور میں شکریہ سابق صدر کی تجویز پاس ہوئی۔

جمعیۃ علمائے ہند کا یہ اجلاس عام حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ صاحب متع اللہ المسلمین بطول بقائہٗ کی ان خدمات جلیلہ کا صدق دل کے ساتھ اعتراف کرتا ہے جو انھوں نے ابتدائے قیام جمعیۃ علمائے ہند کے وقت سے بحیثیت مستقل صدر جمعیۃ علمائے ہند مذہبی و ملّی خدمات مخلصانہ طور پر انجام دی ہیں۔ اور جمعیۃ علمائے ہند کو یقین ہے کہ یہ حضرت ممدوح کی خداداد قابلیت، صلاحیت اور حسن تدبر سے ہمیشہ مستفید ہوتی رہے گی۔"

ناطق فیصلہ

(تجویز تعزیت منظور کردہ مجلس عاملہ جمعیۃ علمائے ہند باجلاس منعقدہ ۲۸ فروری ۱۹۵۳ء بمقام بمبئی)

"مجلس عاملہ جمعیۃ علمائے ہند کا یہ اجلاس مفتی اعظم حضرت علامہ مولانا محمد کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی وفات حسرت آیات پر اپنے انتہائی رنج والم کا اظہار کرتے ہوئے آپ کی وفات کو نہ صرف کسی ایک جماعت یا کسی ایک فرقے کے لئے بلکہ پورے عالم اسلام اور جمیع انسانیت کے لئے حادثہ جانکاہ اور ناقابل تلافی نقصان سمجھتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کو خداوند عالم نے علم و عمل، زہد و تقویٰ اتباع سنت اور تفقہ فی الدین کی جامع صفات کے ساتھ حسن اخلاق، اعلیٰ کردار، بہترین تفکر اور اعلیٰ تدبر کا مقدس پیکر بنایا تھا۔ مذہبی اور دینی خدمات کے ساتھ ہندوستانی سیاست اور آزادیٔ ہند کی جدوجہد میں آپ کی مساعیٔ جمیلہ آپ کی بار بار کی اسارت اور آپ کی قربانیاں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔

جمعیۃ علمائے ہند آپ کے حسن تدبر کا زندہ کارنامہ ہے۔ آپ اس کے بانی اور

معمارِ اوّل ہیں۔ بیس سال تک آپ کے دورِ صدارت میں جمعیۃ علمائے ہند نے وہ عظیم الشان تاریخ مرتب کی جو آج نہ صرف جمعیۃ علمائے ہند بلکہ ملّت اسلامیہ کے لئے باعثِ فخر ہے۔ آپ کی یہی خدمات اور یہی عظیم الشان قربانیاں ہیں جن کی وجہ سے ہر ایک حلقہ آپ کی وفات سے متاثر ہے اور موت العالم موت العالم کا صحیح نقشہ سامنے ہے۔

یہ اجلاس آپ کی وفات پر دلی رنج و افسوس کا اظہار کرتے ہوئے دست بدعا ہے کہ خداوند عالم آپ کو علی علیین میں مقام اعلیٰ عطا فرمائے اور آپ کے پس ماندگان کے ساتھ گہری ہمدردی کا اظہار کرتا ہے"۔

مذکورہ تجویز تعزیت جس اجلاس میں بالاتفاق رائے منظور کی گئی اس میں مندرجہ ذیل حضرات شریک تھے۔

ارکان مجلس عاملہ۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی (صدر اجلاس) سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلوی۔ مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب۔ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی۔ مولانا نور الدین صاحب بہاری۔ مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی مونگیری۔ مولانا عبد الحلیم صاحب صدیقی۔ مولانا ابو الوفا صاحب شاہجہانپوری۔ مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی۔

(روزنامہ الجمعیۃ دہلی۔ مورخہ ۷ مارچ ۱۹۵۳ء جلد ۳۸ شمارہ ۶۳)

خاتمۂ کلام

یہ جو کچھ عرض کیا گیا محض تاریخی تحقیق کے طور پر عرض کیا گیا۔ اور مجھے افسوس ہے کہ

بعض ایسی حقیقتوں کو آشکارا کرنا پڑا جن کا انکشاف یقیناً بعض حضرات پر سخت گراں گذرے گا۔ لیکن بغیر اس کے چارہ کار بھی نہیں تھا۔

جمعیۃ علما کی اور جد و جہد آزادی کی جو تاریخ ہمارے فاضل مورخین جمعیۃ اور بعض دیگر اہل قلم حضرات نے مرتب فرمائی ہے اس کے پڑھنے کے بعد ہم کس منہ سے شکایت کریں ان غیر مسلم مورخین کی جو اسلامی عہد کی تاریخ کو مسخ کر رہے ہیں اور اسکولوں اور کالجوں میں پڑھا رہے ہیں۔ اور جو کہتے ہیں کہ لال قلعہ، تاج محل، قطب مینار وغیرہ کو بھارت کے ہندو راجاؤں نے تعمیر کیا تھا اور جو کہتے ہیں کہ اردو زبان ہندوستان کے کسی خطے میں نہیں بولی جاتی۔ ان فی ذالک لعبرۃ لاولی الابصار

اگر تاریخ کو مسخ کرنے کی اسکیم نہ بنائی جاتی اور میری پہلی ہی گزارش پر صحیح بات ارشاد فرمادی جاتی تو مجھے اس کاوش کی ضرورت پیش نہ آتی۔ کیا اچھا ہوتا کہ میرے بجائے دوسرے اہل قلم یہ خدمت انجام دیتے اور کیا اچھا ہوتا کہ یہ بے ادبی مجھ سے سرزد نہ ہوتی۔ اور خود ذمہ داران جمعیۃ پارٹی فیلنگ میں گرفتار نہ ہوتے اور صحیح بات کو چھپانے کی کوشش نہ کرتے مگر وہاں تو اس کمزور آواز کی رسائی ہی مشکل ہے کہ ان کا مقام بہت بلند ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

افسانۂ اصحاب کہن خواندم و رفتم
دریاب کہ لعل و گہر افشاندم و رفتم

راقم حفیظ الرحمٰن واصف
۱۵ اگست ۱۹۶۶ء

تعارف

تازہ خواہی داشتن گرداغہائے سینہ را   گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

مذکورہ پچیس علما جو جمعیۃ علمائے ہند کے بانی اور اولین ارکان ہیں۔ اب ان کے مختصر حالات بطور تعارف پیش کیے جاتے ہیں۔ راقم الحروف نے ان سب علمائے کرام کے حالات جمع کرنے کی بہت کوشش کی اور بہت سے متعلقہ اصحاب سے خط و کتابت بھی کی اور اب تک خط و کتابت جاری ہے مگر افسوس کہ خاطر خواہ کامیابی نہیں ہو سکی۔ بہر حال اب تک جو کچھ بھی دستیاب ہو سکا ہے۔ وہ حاضر خدمت ہے۔ اسمائے گرامی کی ترتیب جو مطبوعہ رپورٹ "مختصر حالات انعقاد" میں ہے ہم بھی وہی قائم رکھیں گے۔

حضرت مولانا عبدالباریؒ فرنگی محلی لکھنوی

آپ کا پورا اسم گرامی قیام الدین محمد عبدالباری ہے۔ آپ علمائے فرنگی محل لکھنؤ کے علمی خاندان کی ایک جلیل القدر یادگار ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔ حضرت مولانا قیام الدین محمد عبدالباری ابن مولانا عبدالوہاب ابن مولانا عبدالرزاق۔ آپ کی تاریخ پیدائش مورخہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۲۹۵ھ یوم یک شنبہ مطابق ۱۴ اپریل ۱۸۷۸ء بمقام لکھنؤ۔ علوم عربیہ کی تکمیل اپنے ہی خانوادۂ علمی کے بزرگوں حضرت مولانا عبدالباقی وغیرہ اور مولانا عین القضاۃ سے کی۔ آپ حضرت مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی خالہ زاد بھائی اور شاگرد رشید تھے۔ حضرت بحرالعلومؒ کے بعد علمائے فرنگی محل میں سے ایسی شہرت ان دونوں بھائیوں کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوئی جو ہندوستان سے باہر بھی پہنچی ہو۔ اس علمی خاندان میں مولانا

موصوف کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے علمی مشاغل درس وتدریس اور ارشاد وہدایت کے گوشے سے نکل کر ملکی سیاست کے میدان میں بھی قدم بڑھایا۔ اور مسلمانوں کی سیاسی و ملی رہنمائی فرمائی۔

آپ نے مورخہ ۹ جمادی الاول ۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۵ء میں ایک درسگاہ مدرسہ نظامیہ کے نام سے لکھنؤ میں قائم کی اور طالبانِ علوم دینیہ کو درس دیتے رہے۔ لیکن جب جنگ بلقان میں ترکوں کو شکست ہوئی تو آپ کا دلِ دردمند تڑپ اٹھا۔ انجمن خدام کعبہ قائم کی اور ملکی سیاست میں مجاہدانہ کارنامے انجام دیئے۔ قومی اتحاد کے لئے سرگرمی کے ساتھ جدوجہد کی حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہؒ کے ساتھ جمعیۃ علمائے ہند کی تاسیس میں ممد ومعاون رہے جس مشاورتی اجتماع میں جمعیۃ علمائے ہند کی تاسیس ہوئی۔ اس کی صدارت مولانا موصوف نے ہی فرمائی۔

پھر جمعیۃ کے پہلے اجلاس بمقام امرتسر میں پہلی نشست آپ ہی کی صدارت میں ہوئی۔

جب سلطان ابنِ سعود نے ۱۹۲۵ء / ۱۳۴۴ھ میں حجاز کو فتح کر کے حرمین شریفین کے مقابر و مآثر کو منہدم کیا تو عالم اسلام میں اور خاص کر ہندوستان میں زبردست ہیجان پیدا ہو گیا۔ اگرچہ جمعیۃ علما۔ خلافت کمیٹی اور دوسری مسلم جماعتوں نے پرزور احتجاج کیا، اور سلطان ابن سعود تک پوری قوت سے اپنی آواز پہنچائی۔ تاہم اس کو ناکافی سمجھتے ہوئے مولانا موصوف نے ایک جماعت بنام انجمن خدام الحرمین قائم کی اور شدت کے ساتھ نجدیوں کے خلاف ایجی ٹیشن کیا۔ (تذکرہ علمائے فرنگی محل و حسرۃ الآفاق)

جمعیۃ علمائے ہند کی وحدت و سالمیت کے لئے یہ بڑا نازک مرحلہ تھا۔ جمعیۃ علما جو مختلف الخیال عناصر کا مرکب اور مجموعہ تھی۔ قریب تھا کہ اس کا شیرازہ بکھر جائے لیکن حضرت مفتی اعظمؒ کی فراست اور اعلیٰ تدبر نے اس ڈوبتی ہوئی کشتی کو تشتت و افتراق

کے بھنور سے بڑی خوبصورتی کے ساتھ نکال لیا۔

مولانا موصوف نے مورخہ ۴ رجب ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹ جنوری ۱۹۲۶ء کو بمرض فالج سفر آخرت اختیار فرمایا۔

تجویز تعزیت باجلاس مجلس عاملہ جمعیۃ علمائے ہند منعقدہ ۲۱ جنوری ۱۹۲۶ء

جمعیۃ علمائے ہند کا یہ اجلاس حضرت مولانا عبدالباری صاحب کے دفعتہً انتقال پر اپنا دلی رنج و افسوس ظاہر کرتا ہے اور ان کے انتقال کو ہندوستان کے علمی طبقے کے لئے نقصان عظیم تصور کرتا ہے۔ حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مولانا کو جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے اعزا و متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق اور اجر جزیل عطا فرمائے۔

(سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۲۶ جنوری ۲۶ء)

مدرسہ امینیہ میں تعزیتی جلسہ

۲۵ جنوری ۱۹۲۶ء ۱۳۴۴ھ روز دوشنبہ کو ناظم جمعیۃ علما کے اعلان کے بموجب مدرسہ امینیہ دہلی میں طلبا و مدرسین نے حضرت مولانا عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ کی روح پرفتوح کو ثواب پہنچانے کے لئے قرآن مجید کے تین ختم کیئے۔ تلاوت سے فراغت کے بعد بڑی درسگاہ میں تمام طلبہ و مدرسین جمع ہوئے۔ اور حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب نے حضرت مولانا عبدالباری صاحب کے سانحۂ وفات کا ذکر فرمایا۔ اور فرنگی محل کی روایتی علمی شہرت اور علمائے فرنگی محل کے فیوض علمیہ کی وسعت اور نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ہند بھی اس خاندان کے فیوض علمیہ سے استفادہ کی کثرت پر روشنی ڈالی۔ آپ نے فرمایا کہ آج ہندوستان میں کونسا عالم ہے جس نے فرنگی محل کے علمائے متقدمین و

متاخرین کے فیوض علمیہ سے فائدہ نہیں اٹھایا ہے۔ حضرت علامہ بحر العلوم حضرت مولانا عبدالحلیم حضرت مولانا عبدالحی نور اللہ مرقدہم کے شروح وحواشی مصنفات ومولفات موجودہ نسل کے لئے علمی میدانوں میں مشعلِ راہ ہیں۔ مولانا عبدالباری اسی ممتاز خاندان کی ممتاز یادگار تھے۔ پھر مولانا کی ذاتی خوبیاں اور ان کے جذبات حقانیت کو مفصل بیان فرمایا۔ ان کی دینی حمیت، مذہبی غیرت، حقانی جوش۔ اظہارِ حق میں جرأت، مہمان نوازی، بسط اخلاق، طلاقۃ الوجہ، مواسات یتامیٰ ومساکین، حُسنِ صحبت، رعایۃ حقوق، مروت وغیرہ ایسے اوصاف تھے کہ مولانا کے مخالفین بھی ان کا صدق دل سے اقرار کرتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب نے مولانا مرحوم کی دائمی مفارقت پر کچھ ایسے جگر دوز انداز میں تقریر فرمائی کہ حاضرین میں سے بہت سے اصحاب تاب گریہ نہ لا سکے۔ اور خود مفتی صاحب بھی مسلسل تقریر کو جاری نہ رکھ سکے۔ بہر حال اختتام تقریر کے بعد تمام علما و طلبا و حاضرین نے نہایت خشوع قلب کے ساتھ دعائے مغفرت کی۔

(سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲ فروری ۱۹۲۶ء)

مولانا موصوف نے مختلف علوم متداولہ پر تقریباً سوا سو کتابیں تصنیف فرمائیں۔ آپ کے دو نکاح ہوئے۔ پہلی اہلیہ سے ایک لڑکا ہوا مگر تھوڑے ہی عرصے میں اہلیہ محترمہ بھی اور فرزند بھی انتقال کر گئے۔ دوسری اہلیہ کی بڑی صاحبزادی آپ کے چچا زاد بھائی مولانا قطب میاں کو منسوب ہوئیں۔ دوسری صاحبزادی مولوی حکیم معراج الحق کو منسوب ہوئیں۔ آپ کے صرف ایک فرزند ہیں جن کی عمر آپ کی وفات کے وقت تقریباً سات برس تھی۔ اسم گرامی مولوی جمال الدین محمد عبدالوہاب ہے۔

مولانا مولوی سلامت اللہ فرنگی محلی لکھنوی

آپ کا سن ولادت تقریباً ۱۲۹۳ھ ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔ مولانا سلامت اللہ بن مولوی شرافت اللہ بن ملا کرامت اللہ بن مولوی مشائخ بن ملا سعدالدین بن ملا احمد حسین بن ملا رضا بن قطب شہید۔ آپ نے ابتدا میں انگریزی تعلیم ایف اے تک حاصل کی۔ پھر علوم عربیہ کی تعلیم کی طرف توجہ فرمائی۔ اور اپنے ہی خاندان کے علماء سے مختلف علوم وفنون حاصل کرنے کے بعد حدیث کی تکمیل مولانا عبدالباری سے کی اور مدرسہ نظامیہ میں درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ مولانا موصوف کو ہمیشہ قومی وملی مسائل سے دلچسپی رہی۔ چنانچہ جب جنگ اٹلی وطرابلس شروع ہوئی۔ آپ نے مؤیدالاسلام میں بحیثیت جوائنٹ سکریٹری کوشش کرکے ترک مجروحین کے لئے چندہ فراہم کیا۔ اور جنگ بلقان میں تقریباً سینتالیس ہزار روپے جمع کرکے بھیجے۔ جب ترک موالات کی تحریک شروع ہوئی تو مولانا موصوف صوبہ خلافت کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے اور تقریباً تین سال تک نہایت پرجوش طریقہ سے قومی خدمات انجام دیتے رہے اسی سلسلے میں ۹ دسمبر ۱۹۲۱ء مطابق ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ کو گورنمنٹ نے زیر دفعہ ۱۷ الف قانون ترمیم فوجداری آپ کو اور مولانا شوکت علی، چودھری خلیق الزمان، حکیم عبدالوالی اور پنڈت جواہر لال نہرو وغیرہ کو گرفتار کر لیا۔ ایک سال قید اور دو سو روپے جرمانہ کی سزا ہوئی لیکن تین ماہ کے بعد بحکم گورنمنٹ سب کی رہائی ہوگئی۔ سیاسی معاملات میں آپ ہمیشہ حضرت مولانا عبدالباری کے رفیق کار اور قوت بازو رہے۔

آپ نے علم الفرائض میں ایک کتاب فرائض غوثیہ تصنیف فرمائی۔ شرح عقائد نسفی پر مفصل حاشیہ لکھا ہے۔ ابتدائے عمر سے اشغال واذکار کا ذوق بھی تھا۔ اپنے

والد ماجد سے تعلیم اشغال و اجازت حاصل کی۔ بعد کو اپنے استاذ حضرت مولانا عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر بیعت کی

نکاح آپ کا مولوی عبدالعزیز بن ملا عبدالرحیم کی صاحبزادی سے ہوا۔ ایک صاحبزادی (زوجہ ثانیہ جناب مولوی قطب میاں بن مولانا عبدالرؤف بن عبدالوہاب) اور ایک صاحبزادہ مولوی محمد شفیع سلمہ موجود ہیں۔ (تذکرۂ علمائے فرنگی محل)

حضرت مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسریؒ

شیر پنجاب، رئیس المناظرین، فاتح قادیان، مدیر اخبار اہلحدیث و صدر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کشمیری پنڈتوں کے خاندان منٹو سے ہیں۔ آپ کے والد شیخ خضر صاحب جو پشمینہ کی تجارت کرتے تھے۔ ۱۸۶۰ء میں ڈور ضلع سری نگر سے امرتسر آئے اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔ آپ کے آباؤ اجداد غالباً سلطان زین العابدین والیٔ کشمیر کے عہد میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ (کشمیر پر ۱۳۲۶ء سے ۱۸۱۹ء تک اسلامی حکومت رہی ہے۔)

مولانا موصوف ماہ جون ۱۸۶۸ء ۱۲۸۵ھ میں بمقام امرتسر پیدا ہوئے۔ آپ کی عمر سات سال کی تھی کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد والدہ اور تایا کا بھی انتقال ہو گیا۔ آپ کے بڑے بھائی آپ کے کفیل رہے۔ ان کی دکان پر رفوگری کا کام کرتے تھے۔ چودہ سال کی عمر میں فارسی کی ابتدائی کتابیں مختلف اساتذہ سے پڑھ کر عربی کی تعلیم مولانا احمد اللہ امرتسری کے پاس شروع کی۔ یہ مناظروں کا دور تھا۔ عیسائی پادری اور آریہ پنڈت وغیرہ ہندوستان کے چپہ چپہ پر تقریریں اور مناظرے کرتے پھرتے

تھے۔ مولانا موصوف کو بھی دورانِ تعلیم میں مناظرے سے دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔

حدیث کی تعلیم آپ نے مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی سے حاصل کر کے ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء میں سند لی۔ پھر دہلی آکر شمس العلماء حضرت میاں نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی کو حافظ عبدالمنانؒ کی سند دکھا کر اجازت حاصل کی۔ پھر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور گئے اور وہاں سے بھی سند حاصل کی۔ پھر دیوبند پہنچے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے تلمذ میں رہ کر اُن سے معقولات و منقولات کتب درسیہ کی سند حاصل کی۔ پھر مدرسہ فیضِ عام کانپور میں آپ کی دستار بندی بھی ہوئی۔ وہاں ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء میں آپ فارغ التحصیل ہو کر آگئے۔ ۱۹۰۲ء میں مولوی فاضل کا امتحان دیا اور کچھ عرصے اسکول میں ٹیچر بھی رہے۔

آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں بعض مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں:-

قرآن مجید کی تفسیر عربی زبان میں تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن۔ دوسری اردو زبان میں تفسیر ثنائی۔ تیسری تفسیر بیان الفرقان علی علم البیان۔ چوتھی تفسیر بالرائے۔ مقدس رسول بجواب رنگیلا رسول۔ حق پرکاش بجواب ستیارتھ پرکاش۔ ان کے علاوہ اصلاحی و تعلیمی کتابیں بیس عدد مسئلہ تقلید و اجتہاد کے متعلق گیارہ۔ قادیانیت کے رد میں سولہ۔ آریہ سماج کے رد میں سترہ۔ عیسائیوں کے رد میں پانچ۔

تصنیف و تالیف کے علاوہ آپنے عمر بھر تحریر و تقریر کا بے انتہا کام کیا۔ اور سیکڑوں کامیاب مناظرے کیے جس کی تفصیل بیان کرنا دشوار ہے۔ مولانا موصوف نہایت حاضر جواب بذلہ سنج ذکی و فہیم تھے۔ مناظرے کے وقت اس قدر چست فقرے کستے تھے اور ایسے برجستہ و مناسب حال اشعار چسپاں کرتے تھے کہ مقابل مرعوب اور لاجواب ہو جاتا تھا۔

قادیانیوں سے جو مشہور مباہلہ آپ نے ۱۹۰۷ء میں کیا تھا اس کی وجہ سے آپ کو

قوم نے فاتح قادیان کا خطاب دیا۔

اس مباہلے میں مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ کہا تھا کہ جو جھوٹا ہوگا وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہوجائے گا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ مرزا صاحب ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو ہیضہ کا شکار ہو کر اپنے مستقر پر پہنچ گئے اور مولانا ثناء اللہ اس کے بعد چالیس سال تک زندہ رہے۔

۱۹۲۶ء میں مولانا موصوف بغرض شرکت مؤتمر و بغرض حج و زیارت حجاز تشریف لیگئے۔ اہل حدیث کانفرنس نے شرکت مؤتمر کے لئے جو وفد بھیجا تھا آپ اس کے صدر تھے۔ دوسرے ارکان وفد مولانا محمد جوناگڈھی (مدیر اخبار محمدی دہلی) اور مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی تھے۔

اخبار اہل حدیث ہفت روزہ آپ نے ۱۹۰۳ء میں جاری کیا تھا جو چوالیس سال تک امرتسر سے نکلتا رہا اور جولائی ۱۹۴۷ء میں فسادات و تقسیم پنجاب کی نذر ہوگیا۔

مولانا کی شادی اکیس سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ ایک فرزند عطاء اللہ اور ایک بیٹی فاطمہ تھی اہلیہ محترمہ کا انتقال آپ سے تین سال کے بعد سرگودھا ہی میں جا کر ہوا۔ اکلوتے فرزند مولوی عطاء اللہ بروز ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کو امرتسر کے فسادات میں شہید ہوئے۔ ۱۴ اگست ۴۷ء کو امرتسر میں اپنا عظیم الشان اور نادر ذخیرہ کتب اور تمام مال و متاع چھوڑ کر آپ کو ترک وطن کرنا پڑا۔ لاہور پہنچے، پھر گوجرانوالہ پھر وسط جنوری ۴۸ء میں سرگودھا تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کو ایک پریس الاٹ ہوگیا۔ آپ نے امرتسر والے مطبع کے نام پر اس کا نام ثنائی برقی پریس رکھا اور اس کا انتظام اپنے ایک پوتے مولوی رضاء اللہ کے سپرد کیا۔

آپ کی وفات سرگودھا میں بمرض فالج ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء / ۱۳۶۷ھ بروز دوشنبہ ہوئی

وفات کے وقت آپ کی عمر اکیاسی سال تھی۔ (ماخوذ از سیرت ثنائی مصنفہ مولانا عبدالمجید صاحب خادم سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ)

حضرت پیر محمد امام شاہ سندھی

آپ حضرت پیر سید رشد اللہ شاہ "صاحب العلم الرابع" کے فرزند تھے۔ آپ کا تعلق خاندان راشدیہ سے ہے جو سندھ میں سادات حسینی کا مشہور قبیلہ ہے۔ آپ ۳ ستمبر ۱۸۹۵ء مطابق ۵ رجادی الثانی ۱۳۱۲ھ میں بمقام گوٹھ پیر جھنڈا تحصیل ہالا ضلع حیدر آباد سندھ پیدا ہوئے۔ حفظ قرآن مدرسہ دارالرشاد میں کیا جسے آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا سید رشد اللہ شاہ نے قائم کیا تھا۔ حافظ شیر محمد صاحب پنجابی سے حفظ قرآن کا آغاز کیا بعد میں امین محمد صاحب کچھ بھوج والے سے قرآن شریف مکمل کیا۔ فارسی تعلیم اسی مدرسے میں قاضی فتح محمد نظامانی اور مولوی عبداللہ لغاری سے حاصل کی تعلیم علوم عربیہ اپنے زمانے کے مشہور اساتذہ مثلاً مولانا عبیداللہ سندھی۔ مولانا نجم الدین ڈیالوی (جہلم) اور استاد الکل مولانا محمد صاحب احمدانی لغاری (ڈیرہ غازی خاں) سے حاصل کی۔ سلوک وطریقت کی تعلیم اپنے جد امجد حضرت سید رشد الدین شاہ سے حاصل کی۔ آپ مسلکاً حنفی ومشرباً قادری تھے۔

چونکہ اس وقت تحریک خلافت میں تمام علمائے ہند شریک تھے۔ آپ بھی مولانا عبیداللہ سندھی اور اپنے والد محترم کی ترغیب و تحریک پر تحریک خلافت میں شامل ہو گئے اور اپنے اطراف و اکناف میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ آپ کی ان تھک جدوجہد اور غیر معمولی سیاسی سوجھ بوجھ کی بنا پر حکیم اجمل خاں اور مولانا ظفر علی خاں نے

بعض مجالس میں صدرِ مجلس منتخب فرمایا۔ موصوف ایک جید عالم۔ بہترین مقرر، زیرک سیاستدان تھے۔

آپ مدرسہ دارالرشاد کے مہتمم و منصرم تھے۔ اور تاحیات بڑی دیانتداری و خلوص سے اس اہم خدمت کو باحسن وجوہ انجام دیا۔ آپ کے اندر اعلیٰ انتظامی قابلیت تھی۔ اسی وجہ سے حضرت رشد اللہ شاہ نے اپنی زندگی میں اس ذمہ داری کو آپ کے سپرد کر دیا تھا۔ آپ کے ماتحت بڑے بڑے علمائے کرام مثلاً مولانا نور الحق صاحب علوی، مولانا سید میرک شاہ کشمیری وغیرہ نے بڑے اطمینان سے علمی خدمات انجام دیں۔

آپ کا ذریعہ معاش زمینداری تھی۔ آپ ایک بڑے زمیندار تھے۔ آپ کی زمین شاہ آباد میں تھی۔ ۱۳۴۰ھ میں جب آپ کے والد حضرت سید رشد اللہ شاہ وفات پا گئے تو خاندانی اختلافات کے باعث اپنی جائے ولادت گوٹھ پیر جھنڈا سے آپ نے ہجرت فرما کر شاہ آباد میں مستقل سکونت اختیار فرمالی اور زمیندارہ کے کام میں مشغول ہو گئے۔

۱۹۳۴ء میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ واپسی کے بعد معدہ کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ اس بیماری کا سلسلہ ممتد ہو گیا۔ حتیٰ کہ ۱۹۳۶ء میں رحلت فرما گئے۔ شاہ آباد میں ہی آپ کا مزار شریف ہے۔

آپ کی اہلیہ محترمہ بحمد اللہ اب بھی بقید حیات ہیں۔ ان سے آپ کے چار صاحبزادیاں ہیں اور ایک صاحبزادہ پیر صدرالدین شاہ آپ کے جانشین ہیں اور اپنے زمیندارہ کا کام انجام دے رہے ہیں۔

(بشکریہ مولوی سید وہب اللہ شاہ صاحب۔ گوٹھ۔ پیر جھنڈا۔ براہ ٹنڈو آدم۔ ضلع حیدرآباد سندھ)

مولانا اسد اللہ شاہ الحسینی بکھڑی (سندھ)

آپ کے حالات راقم الحروف کو دستیاب نہیں ہوسکے۔

مولانا سید محمد فاخر میاں بیخود (عرف راشد میاں)

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی مولانا سید محمد زاہد میاں عرف شاہ حاجی جان ابن شاہ محمد جان قدسی رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا فاخر تقریباً ۱۸۵۶ء میں بمقام الہ آباد پیدا ہوئے۔ آپ دائرہ حضرت شاہ اجملؒ کے سجادہ نشین تھے۔

دائرہ شاہ اجملؒ شہر الہ آباد میں ایک مشہور خانقاہ ہے۔ جس کو حضرت قطب الاقطاب شیخ محمد افضل الہ آبادی نے قائم کیا تھا۔ حضرت قطب الاقطاب اصل میں سید پور ضلع غازی پور کے باشندے تھے۔ آپ کی وفات ۱۱۲۴ھ میں ہوئی۔ آپ کے نواسے شاہ محمد ناصر کے فرزند شاہ محمد اجمل تھے۔ جن کے نام سے دائرہ شاہ محمد اجمل مشہور ہے۔ شاہ محمد اجمل کا زمانہ آصف الدولہ شاہ اودھ کا زمانہ ہے۔

مولانا محمد فاخر حضرت شاہ محمد اجمل کی اولاد میں ہیں۔ آپ کی ابتدائی تعلیم خانقاہ میں ہوئی۔ پھر مولانا شاہ عبید اللہ ولایتی کانپوری سے اور اُن کے اُستاد نواب مولانا مسیح الزماں خاں شاہجہانپوری (استاذ میر محبوب علی خاں نظام دکن) سے بھی تعلیم حاصل کی اور مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی سے بھی پڑھا۔ سلوک و طریقت میں اپنے والد ماجد سے مجاز تھے۔ اور ابو العلائیہ سلسلہ سے بھی قوی نسبت تھی۔ آپ کا مسلک حنفی اہل سنت والجماعت تھا۔ صوفی مشرب چشتی تھے۔ فن طب کی بھی تکمیل کی تھی اور اس میں عمدہ دستگاہ رکھتے تھے۔ مطب بھی فرماتے تھے۔ فن طب میں آپ اپنے

بڑے بھائی حکیم محمد افضل الہ آبادی کے شاگرد تھے۔ شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی۔ بیخود تخلص تھا۔ عمدہ شعر کہتے تھے۔ اور اپنے چچا حضرت شاہ محمد بشیر صاحب سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

آپ کو ملکی و ملّی سیاسیات سے بہت شغف و انہماک تھا۔ حضرت شاہ حاجی جان (المتوفی ۱۹۱۲ء) کے پہلے ہی عرس کے موقع پر دوران عرس میں پولیس اور فوج نے آکر تلاشی لینے کے لئے دائرۂ شاہ اجمل کا محاصرہ کرلیا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے حکم سنایا کہ "آپ جہاں ہیں وہاں سے کہیں نہیں جاسکتے۔ گورنمنٹ برطانیہ کو آپ کے متعلق کئی قسم کے شبہات تھے۔ مثلاً یہ کہ ہندوستان کی انقلابی پارٹی سے آپ تعلق رکھتے ہیں۔ اور بیرونی انقلابیوں شیخ سنوسی وغیرہ سے بھی ساز باز رکھتے ہیں۔ اور اس طرح ہندوستان کو آزاد کرانے اور حکومت کا تختہ اُلٹنے کی جد و جہد کرتے رہتے ہیں۔ تلاشی کے دوران پولیس کو یہ بھی شبہ تھا کہ آپ بم بناتے ہیں۔

مولانا موصوف جلیانوالہ باغ کے حادثہ سے بہت متاثر ہوئے اور ملک کے مختلف مقامات پر جاکر تقریریں فرمائیں۔ ان میں سے ایک تقریر پر دفعہ ۱۰۸ کے ماتحت، اپریل ۱۹۲۰ء میں گرفتار ہوئے اور ایک سال قید با مشقت کی سزا دی گئی۔ کچھ دن الہ آباد جیل میں رکھا گیا پھر عوام کی شورش کے خطرے سے گورنمنٹ نے بیروں میں بھاری بیڑیاں ڈال کر گورکھپور جیل میں بھیج دیا تھا۔ مرض ذیابیطس کی وجہ سے آپ کا ایک پاؤں سوکھ گیا تھا۔ اور چلنے پھرنے میں دشواری ہوتی تھی مگر بیڑیاں ڈالی گئیں اور جیل کے اندر محبوس ہونے کی صورت میں بھی بیڑیاں رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ مولانا شوکت علی جیل پر مولانا سے ملنے کے لئے گئے تو آپ کو اس حالت میں دیکھ کر زار و قطار روئے۔

گورکھپور جیل میں آپ نے مندرجۂ ذیل اشعار میں اظہار خیال فرمایا۔

الہ آباد سے جب دُور آیا — بہت ہی مضطر و رنجور آیا
کھلے تھے ہاتھ تو پابند تھے پانو — عجب صورت سے گھورکھپور آیا
وہاں کے قید خانے سے نکل کر — اسیرِ و بیخود و مجبور آیا
بہ کُلفت ہو مجھے عشرت جو کہدو — تمہیں بھی ہے یہی منظور آیا
بظاہر تھا پریشاں حال لیکن
شرابِ عیش سے مخمُور آیا

قطعہ

آنکھ ہے محوِ تجلّی وصل سے دل شاد ہے — قید میں بھی طبعِ بیخود ہر طرح آزاد ہے
بیڑیاں مجھکو پہننے میں ذرا ذلت نہیں — باپ دادا کا طریقہ سنت سجاد ہے

مولانا محمد علی جوہر کے فرمانے سے آپ کے فرزند مولانا شاہد میاں نے آپ کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ لباس میں سے آپ کو کس چیز کی ضرورت ہے؟ آپ نے جواب میں مندرجہ ذیل قطعہ لکھ کر بھیجا۔

لو ہے کی گلے میں ہم نے ہنسلی پہنی — اس میں لکڑی کی ایک تختی پہنی
ہاتھوں کو ملا نہ ہتھکڑی کا کچھ لُطف — پانو نے کڑے بھی پائے بیڑی پہنی

اپریل ۱۹۲۱ء میں آپ کو گورکھپور جیل سے الہ آباد جیل میں لایا گیا اور اچانک رہا کر دیا گیا۔ آپ آخر زندگی تک تحریکاتِ آزادی میں حصّہ لیتے رہے اور اپنے تبلیغی و علمی مشاغل کو بھی جاری رکھا آپ کو اذکار و اشغال سلاسل خمسہ کے سمجھنے اور ان کے برتنے میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ فنِ تصوّف کے ماہر تھے اور تمام مشائخ کبار اور وابستگان سلسلہ کے لئے شغلِ باطن سے واقف ہونا ضروری سمجھتے تھے۔ انگریزی تہذیب و معاشرے سے بہت نفرت تھی۔ جوانی میں فنِ کشتی اور فن بنوٹ بھی سیکھا تھا۔ اور اپنے زمانے کے طاقتور پہلوانوں میں شمار تھا۔ ۱۹۲۸ء میں

آپ نے حج کیا۔

۲۱ر جولائی ۱۹۳۰ء کو تقریباً چوہتر سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی اور حجرۂ پاک سجادہ نشینان دائرہ میں خانقاہ کے سامنے اپنے والد کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

مولانا کی شادی شاہ حبیب عالم ساکن شہر غازی پور کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ ان سے ایک دختر خورد سال فوت ہوئی۔ دوسری صاحبزادی شادی شدہ ۱۹۴۲ء کے بعد وفات پاگئیں۔ اب صرف آپ کے فرزند حضرت مولانا سید محمد شاہد میاں صاحب ہیں جو آپ کے جانشین اور دائرۂ شاہ اجمل کے سجادہ نشین ہیں۔ آپ بھی ہمیشہ سے قومی و ملی کاموں میں حصہ لیتے رہے ہیں۔ جمعیۃ علمائے ہند کے نائب صدر بھی ہیں اور قومی تحریکات کے سلسلے میں کئی مرتبہ جیل جاچکے ہیں۔

(مذکورہ بالا حالات میں نے مولانا شاہد میاں سے دریافت کر کے قلم بند کیے۔ واصف)

مولانا محمد انیس صاحب نگرام ضلع لکھنؤ

آپ مولانا محمد اویس صاحب۔ شیخ التفسیر دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کے والد ماجد تھے۔ افسوس کے ساتھ تعجب بھی ہے کہ آپکے حالات راقم الحروف کو دستیاب نہیں ہوئے۔

مولانا خواجہ غلام نظام الدین مفتی مدرسہ عالیہ قادریہ

(خود نوشت تعارف)

۱۴ر ستمبر ۱۹۶۶ء مولوی محلہ بدایوں۔ مکرمی والا مراتب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ فقیر تین ماہ کے قریب بنگال بہار اور اڑیسہ کے دورہ پر رہا۔

اور جلسہ ہائے سیرۃ میں مشغول ۔ اب واپسی پر گرامی نامہ موصول ہوا بہت خوشی حاصل ہوئی کہ جناب ایک ایسی اہم تاریخی خدمت کی طرف متوجہ ہیں کہ موجودہ دور میں جسکی شدید ضرورت تھی۔ جہاں تک فقیر کا تعلق ہے وہ ایک ناچیز ہستی ہے اور اس احساس کمتری یا کسر نفسی نے باوجود مستقل عملی زندگی کے کسی نمایاں خاص منزل سے دور رکھا۔ فقیر کے انتہائی مخلص سراپا اخلاص جناب مولوی قاری ادریس صاحب امام جامع نئی دلی نے اور عزیز خاص جناب فرخ صاحب لائبریرین یونیورسٹی علی گڈھ نے اصرار بھی کیا کہ اپنے حالات اور مذہبی و ملکی خدمات شائع کروں مگر یہی کہکر ٹال دیا کہ "خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا" چنانچہ جناب والا کو عزیز موصوف سے بہت امداد ملے گی جو تاریخی خاص معلومات رکھتے ہیں۔ اور حضرت قاری صاحب سے دور ماضی کے اعلانات و پوسٹر وغیرہ دستیاب ہو سکتے ہیں۔ بہر حال جناب کے پرخلوص جذبات کی قدر نہ کرنا بھی ایک اخلاقی جرم ہے اس لئے اختصار کے ساتھ فقیر اپنے کچھ حالات تحریر کر رہا ہے اور برادر مکرم حامی ملک و قوم عالی جناب مولانا شاہد فاخری صاحب کا شکر گزار ہے جن کے ذریعے جناب کو صحیح پتہ معلوم ہو سکا، ورنہ اس سے قبل کوئی گرامی نامہ موصول نہیں ہوا۔

فقیر بدایوں میں پیدا ہوا اور تمام عمر بدایوں میں گزاری۔ تقریباً ستر سال فقیر کی عمر ہے۔ والد کا نام خواجہ عبداللہ ولد خواجہ ضیاء الدین ہے سلسلۂ نسب صدیقی اولاد حضور شیخ شہاب الدین سہروردی سے ہے۔ فقیر کے اجداد گلی عزیز الدین وکیل کوچہ پنڈت دہلی میں ساکن تھے جہاں کی مسجد کے تحتی حصے میں ایک بزرگ بھی مدفون ہیں۔ ہمارے جدی گھر کے سامنے اسی خاندان کی ایک بہت بڑی ڈیوڑھی بھی تھی جو منصوت کے نام سے مشہور تھی۔ جس کے متصل ہمارے ایک بزرگ کشتہ نام سے مشہور شاعر تھے اور گلی کی ابتدا میں چچا نذیر حسن صاحب کا مکان تھا جس سے متصل ہمارے عزیز مولوی ابوالخیر و مولوی ابوالاعلیٰ مودودی اور اعزا قیام فرما تھے۔ آخر

گلی میں سید بہاؤ الدین صاحب ڈپٹی کلکٹر ولد سید جلال الدین کے مکانات تھے جن کی ہمشیرہ سے میرے والد کی دوسری شادی ہوئی تھی۔ اور عزیز خواجہ رفیع الدین جن سے پیدا ہوئے اور تقسیم تک اپنے جدی مکان رفیع منزل میں مقیم رہے۔ پھر چھوڑ کر پاکستان جانے پر مجبور ہوئے۔ کچھ دن پرانے قلعہ میں مع اہل و عیال رہے تھے۔

فقیر کے جدّ[1] مقدس حضور مولانا عبد القادر صاحب کی دوسری شادی فقیر کی پھوپھی صاحبہ سے دہلی میں عمل میں آئی۔ جس کے بعد حضور نے اپنی پہلی صاحبزادی ہمشیرہ مرشدی حضور شاہ عبد المقتدر صاحبؒ کا عقد میرے والد سے فرمایا۔ فقیر کے دادا صاحب اور والد صاحب نے مستقل سکونت بدایوں کی اختیار فرمائی۔ فقیر نے ابتدائے عمر سے حضور مرشدی شاہ عبد المقتدر صاحب کے آغوش کرم میں پرورش پائی اور حضرت مولانا احمد الدین صاحب و مولانا ابراہیم صاحب و مولانا حبیب الرحمٰن صاحب وغیرہ سے درس نظامی شروع کیا۔ خود حضرت اقدس مرشدیؒ دوپہر میں تفسیر بیضاوی و میبذی کے اسباق پڑھاتے اور خصوصی لطف سے نوازتے تھے۔ نہ صرف بدایوں بلکہ ہندوستان میں مدرسہ قادریہ و خانقاہ مرکز علم تھا بلکہ اسلامی ممالک تک حضور سیف اللہ المسلول مولانا فضل رسول صاحب کے علم و فضل کا شہرہ ہو رہا تھا۔ آپ کی متعدد کتب تبلیغ حنفیہ و رد عقائد باطلہ میں مشہور عالم ہیں۔ چنانچہ آپ کے صاحبزادے حضور تاج الفحول مولانا عبد القادر صاحب نے بھی اسی مسلک کی خدمت فرمائی اور فقیر بھی اسی مسلک سے فیضیاب ہوا۔ ابتدائے عمر سے علم کے ساتھ فقیر عملی خدمات کا خاص جذبہ رکھتا تھا۔ اٹھارہ برس کی عمر میں اصلاح الخیال کا صدر تھا جس کے مقاصد میں تحریک نماز اور لاوارث اموات کی تدفین اور مساجد کی خدمت تھی۔ یہاں تک انہماک

---

[1] مراد غالباً نانا صاحب ہیں۔ (واصف)

تھا کہ عالم کا امتحان کامیاب کرنے کے بعد فاضل کا دوبارہ امتحان نہ دے سکا۔ دن اور رات مسجدیں تھیں یا قبرستان۔

حضرت عظیم البرکت حضور اقدس مولانا شاہ عبدالقدیر صاحب نے مرشد پاک کے وصال کے بعد جس محبت و لطف و کرم سے سرپرستی فرمائی اور فقیر نے جس حد تک خود کو وقف وفدا کیا اس کا اظہار ممکن نہیں۔ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالماجد صاحب فقیر کو اور برادر اعز واکرم جناب مولانا عبدالحامد صاحب کو ایک ساتھ طریقہ وعظ کی تعلیم دیتے تھے اور فقیر سے فرماتے تھے کہ آپ کی والدہ نے مجھے شرح وقایہ پڑھائی ہے اوس کا حق ادا کر رہا ہوں۔ یہاں تک زندگی کے مذہبی علمی روحانی دور کا خلاصہ تھا۔

یکایک سیاسی حالات تیز ہوئے۔ خلافت و نان کو اپریشن کی تحریکات شروع ہوئیں۔ مغلیہ حکومت سے جس ظلم کے ساتھ انگریزوں نے حکومت حاصل کی تھی اوس کی اور غدر کے حالات کی یاد تازہ ہوئی۔ وطن کی آزادی کے جوش پیدا ہوئے۔ اوس وقت فقیر نے "ترک موالات وطلبہ" ایک مختصر سا رسالہ بھی شائع کیا۔ حضرت اقدس مولانا عبدالقدیر صاحب کی اعانت سے قادری منزل میں سودیشی کرگہ اسکول قائم ہوا۔

دہلی میں مختلف الخیال علما انگریزی عداوت کے جذبات کی وجہ سے جمع ہوئے اور آزادی وطن کی خاطر اپنی تنظیم کے لئے جمعیۃ علمار کی تشکیل ضروری سمجھی۔ فقیر اوس وقت اپنے جوش آزادی میں پرجوش مؤید ہوا اور اکابر علمائے ہند کی قیادت سیاست موجب تقویت ہوئی۔ یاد آتا ہے کہ اس کے بعد یا قبل ترک موالات اور آزادی وطن کے لئے سیکڑوں علما کا ایک فتویٰ بھی شائع ہوا جس پر فقیر نے بھی دستخط کئے۔ اسی زمانے میں ایک اہم پوسٹر مولانا عبدالباری صاحب کا فتویٰ گاندھی جی کا حکم شائع ہوا۔ اس دور میں ناچیز دیوانہ وار سیاسی تحریکات میں پیش پیش تھا۔

بلکہ ایک راز کو اشارۃً ظاہر کرنا ضروری ہے کہ حد یہ تھی کہ حضرت اقدس مولانا عبدالباری صاحبؒ و

رئیس الاحرار حسرت موہانی و حضرت اقدس مولانا عبد القدیر صاحبؒ و حضرت سید مصباح الحق صاحب۔ سجادہ کچھوچھہ و مولانا آزاد سبحانی صاحب کی رہنمائی میں ناچیز کا تعلقِ خاص شہید وطن اشفاق اللہ صاحب شاہجہانپوری سے بھی کمال درجہ رہا۔ جس سے برادر اعزو اکرم سید مظفر صاحب شاہجہانپوری آج تک آگاہ ہیں۔ ناچیز کے سپرد شہیدِ وطن کی خدمت اور مرسلہ سامان پہنچانا تھا۔

بالجملہ یہ دَور جوش و انقلاب کامیاب رہا۔ جب تحریکات آخری منزل کے قریب تھیں اوس وقت اکثریت کے ایک طبقے کی تنگ نظری و تعصب کی بنا پر بہت سے اکابر نہ صرف کانگریس سے بددل ہونے لگے بلکہ جمعیۃ علمائے بھی دور ہوتے گئے۔ جو اپنے مسلک اتحاد پر قائم رہی اور ایک خاص جماعت کی اکثریت کے زیر اثر محدود ہو گئی۔ چنانچہ علی برادران و مولانا حسرت موہانی و حضرت اقدس مولانا عبد القدیر صاحبؒ حضرت مولانا عبد الماجد صاحب جیسے رہنمایانِ آزادی جمعیۃ سے دور ہوتے گئے اور جمعیۃ علما کانپور بمقابل میں رونما ہوئی۔ ناچیز بھی اپنے اکابر کے ساتھ رہا۔ حضرت اقدسؒ جو صوبہ جمعیۃ کے صدر تھے۔ حضرت مولانا عبد الماجد صاحبؒ و حضرت مولانا نثار احمد صاحب کانپوری و حضرت مولانا شاہ فاخر صاحب کے بعد جمعیۃ کانپور کے صدر تجویز ہوئے۔ جمعیۃ علمائے کانپور کے اجلاس کا خطبۂ صدارت کلکتہ حضرتؒ نے وہ پیش کیا۔ جسکی مدح خاصکر مفکر قوم جناب عبد الماجد صاحب دریابادی نے صدق میں شائع کی۔ اس جمعیت کی حمایت علی برادران و سر محمد یعقوب و سر ظفر اللہ خاں و ڈاکٹر شفاعت احمد اور اکثر سنی علما کر رہے تھے۔ جناب مولوی منظہر الدین صاحب اس کے سکریٹری تھے۔ اسی جمعیۃ نے شہید گنج ایجی ٹیشن کے سلسلے میں بدایوں میں ایک اجلاس کیا جس کی صدارت حضرت شیخ طریقت پیر جماعت علی شاہ صاحب نے فرمائی۔ حضرت اقدسؒ صدر استقبالیہ تھے اور حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب و حضرت مفتی اعظم

ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب بریلوی اور اکابر علما نے شرکت فرمائی۔ اسی زمانے کے قریب مسلم کانفرنس بھی سرگرم عمل تھی۔ اور فقیر حضرت قبلہ کے ساتھ دہلی کے بڑے ہوٹلوں میں شریک اجلاس ہوتا رہا۔ جمعیۃ علمائے کانپور کے اکابر اور زعمائے ہند سر یعقوب وغیرہ اس کے ارکان اور علامہ سر اقبال اس کے صدر تھے اور ان اجلاسوں کی شان یاد آتی ہے۔ عالی جناب فخر قوم نواب چھتاری بھی اس کے معاون اور غلام بھیک وجناب محمد شفیع اس کے رکن تھے۔

یہ حالات جاری ہی تھے کہ مسلم لیگ کی دیرینہ جماعت محمد علی جناح کی قیادت میں تیزی سے سرگرم عمل ہوئی۔ اور وہ تمام ذمہ دار جو ملک کی آزادی کا جذبہ رکھتے ہوئے بھی اکثریت کی تنگ نظری سے بھی تنگ آکر کوئی دوسرا محفوظ راستہ تلاش کرنے پر مجبور ہوئے۔ اور عامۃ الناس بھی رفتہ رفتہ مسلم لیگ کے گرد جمع ہو گئے۔ بجز جمعیۃ علمائے ہند کے۔ حالانکہ اس کے بھی بہت سے ذمہ دار اکابر لیگ میں شامل ہو گئے۔ فقیر بھی اپنے اکابر کے ساتھ رہا اور لیگی جوش کے زمانے میں بھی باوجود عہدوں کے کانگریسی مسلمانوں کی ذلت ورسوائی کو روکتا رہا جس کے شاہد ستار بخش صاحب کانگریسی ہیں۔ اگرچہ فقیر نے بھی دورے کیے مگر برادر عالی وقار جناب مولانا عبدالحامد صاحب کے برابر سرگرم عمل نہ ہو سکا۔ بدایوں کی حد تک لیگی سیاست برادر عزیز مولانا عبدالصمد مقتدری مرحوم وبرادر مکرم جناب مولوی مشفع احمد صاحب وکیل و برادر معظم عالی جناب مولوی ابوالحسن صاحب قادری و عالی جناب صاحب اقتدار ایم آل حسن وجناب ظفر احمد صاحب وغیرہ کے اور فقیر کے زیر اثر رہی اور ہر قدم پر بدایوں کے امن واتحاد کو برقرار رکھنا سب نے ضروری سمجھا۔

کانگریس ولیگ کے سمجھوتے کے تحت آخر کار ہندوستان تقسیم ہو گیا۔ زمین ہی نہیں بلکہ انسان، کنبے، باپ بیٹے، بھائی بھائی تقسیم ہو گئے۔ تقسیم کے بعد ہی قیامت خیز فسادات نے آزادی کے لطف کو مکدر کر دیا۔ پاکستان وہندوستان کے ہندو مسلمان سخت تباہی وبربادی میں پڑ گئے۔

جگہ جگہ فسادات کا ردِعمل شروع ہوا۔ بہت سے مسلمان گھبرا کر پاکستان روانہ ہو گئے۔ بدایوں میں مذہبی حیثیت سے عملی میدان میں تنہا فقیر تھا۔ مسلمانوں کو نازک آزمائش و تباہی میں چھوڑ کر اپنے محبوب وطن سے منہ موڑنے کو دل نے گوارا نہ کیا۔ طے کر لیا کہ یہاں رہنا ہے تو حکومت و اکثریت کا ہر ممکن طریقے سے اتحاد و تعاون حاصل کیا جائے تاکہ خدمات کا کچھ موقع مل سکے اور مصائب و دشواریوں میں کمی رہے۔ چنانچہ حالات کا ساتھ دینے میں طرح طرح کی روحانی تکلیف بھی ہوئی ضمیر کا بھی خون کرنا پڑا۔ دھوکے بھی کھائے۔ اپنوں کی بھی برائیاں سنیں لیکن شکر ہے کہ جہاں فساد کی آگ کے شعلے نہ رُک سکے وہیں بہت سے محلوں کو آگ کے شعلوں میں پہنچکر بچایا۔ اور شاہجہانپور و پیلی بھیت وغیرہ میں اگر ہزاروں شہید ہوئے تو بدایوں میں پندرہ سے زیادہ تعداد نہ ہوئی۔ علاوہ اس فساد کے جو ۱۹۴۷ء سے قبل ہوا تھا۔

خدا علیم ہے کہ فقیر کا یہ طریقۂ کار کسی ذاتی غرض و مفاد کے لئے نہ تھا بلکہ بدایوں کے امن و اتحاد اور مسلمانوں کے مصائب کی روک تھام کے لئے تھا۔ جس کو اکثر انصاف پسند دماغوں نے مناسب سمجھا۔ اور بعض دماغوں نے پاکستان تک جا کر فقیر کی کمزوریوں کو شائع کیا اور اپنے فرار کی بجائے مصائب میں مظلوموں کے ساتھ جمے رہنے کی بھی تعریف نہ کی۔ بہرحال ۱۹۴۷ء کے بعد سے بلا خوف لومۃ لائم فقیر اسی روش پر قائم ہے۔ اور ملک میں مسلمانوں کی عزت و حفاظت کے لئے ملکی اتحاد کا حامی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی وطن کی خدمت کا کوئی موقع ہوتا ہے فقیر باوجود اپنی مذہبی حیثیت کے اس سے دریغ نہیں کرتا اور ملکی اتحاد و تعاون کو ضروری تصور کرتا ہے۔

علاوہ سیاسیات کے بدایوں کے دو عربی کے مدرسے فقیر کے زیرِ انتظام ہیں جن کی ذمہ دار کمیٹیاں ہیں۔ دار العلوم شمس العلوم بدایوں اور مدرسہ عربیہ جگر رہ۔ بھوانی ضلع نینی تال کی جامع مسجد اور انجمن خدام اسلام کی صدارت منجانب وقف بورڈ فقیر کے ذمہ ہے جس کو

چالیس سال قبل فقیر نے قائم کیا تھا۔ عیدگاہ شمسی بدایوں کی امامت کی ذمہ داری بھی فقیر کے سپرد ہے اور تمام ضلع کا عہدۂ قضا بھی ناچیز سے متعلق ہے۔ علاوہ مقامی خدمات کے سال میں متعدد بار فقیر بمبئی، کلکتہ، کٹک، بہار، یوپی کے جلسہ ہائے سیرۃ پاک و مجالس محرم و گیارہویں شریف کے دورہ پر رہتا ہے۔ اس سلسلہ میں سلسلۂ عالیہ قادریہ کی خدمت کے فرض کو بھی ادا کرتا ہے۔ تحریک نماز و عشق رسولؐ فقیر کے خاص عنوان ہوتے ہیں۔ ہر سال اجمیر شریف کی حاضری کی سعادت بھی حاصل ہوتی ہے۔ جہاں حضرت صولت حسین دیوان درگاہ ذرہ نوازی کرتے ہیں۔

اب سیاسی کشمکشوں سے دل برداشتہ ہے اور سکونِ قلب اگر کچھ ملتا ہے تو مذہبی روحانی بارگاہوں میں۔ چونکہ خواجہ غلام نظام الدین فقیر کا پورا نام ہے۔ اس لئے غلامی کی نسبت سال میں ایک بار حضور محبوب الٰہی کے دربار میں حاضر کر دیتی ہے۔ یہاں حضرت پیر ضامن نظامی صاحب سجادہ نشین کمال اخلاص و لطف و کرم سے بدایونی نسبت کا پاس فرماتے ہیں۔ یہ مختصر سوانح حیات ہے خدائے قادر عمر کی کسی ایک خدمت کو بھی قبول فرما کر بخش دے اور اپنے محبوب کے طفیل کرم فرمادے تو بیڑا پار ہے۔ اور اس تحریر میں بھی کوئی غلطی ہو اوسے عفو فرمادے۔

فقیر کی عمر اب بفضلہ ستر کے قریب ہے کم و بیش۔ فقیر کے دو لڑکے پانچ لڑکیاں ہیں۔ بفضلہ بڑے لڑکے خواجہ احتشام الدین قادری دہلی میں ہی کارپوریشن کے برقی محکمے میں اچھی ملازمت پر ہیں۔ اور خواجہ محی الدین صدیق چھوٹے لڑکے مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے انجنیئرنگ کے شعبے میں تیسرے سال میں ہیں۔ اہلیہ بفضلہ حیات ہیں مگر سخت امراض میں مبتلا ہیں۔ خدا شفا عطا فرمائے۔ اللہ بس۔ فقیر خواجہ غلام نظام الدین قادری ۱۵ ستمبر ۱۹۶۶ء

والا مرتبت جناب مکرم۔ سلام نیاز۔ تعمیل حکم میں آخر کار مجبور ہو کر اس قدر لکھ ڈالا جس کا وہم و ارادہ بھی نہ تھا۔ لکھنے کے بعد دیکھا بھی نہیں کہ کیا لکھا ہے۔ بہر حال حرف حرف

خلوص وصداقت کا قبول فرمائیں۔ اگرچہ کچھ طویل ہے مگر بفضلہ سوالات بھی بہت تفصیل طلب تھے۔ اگر حالات کی اشاعت فرمائی جائے تو فقیر کی مکمل تحریر شائع ہونا ضروری ہے۔

فقیر خواجہ غلام نظام الدین قادری۔ مولوی محلہ۔ بدایوں

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ قدس سرہ،

چودھویں صدی ہجری کے سب سے بڑے مفتی اور فقیہ، جمعیتہ علمائے ہند کے بانی و مؤسس، مدرسہ امینیہ دہلی کے شیخ الحدیث و مہتمم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نور اللہ مرقدہ کے معتمد۔ جمعیتہ الخلافہ کے روحِ رواں مولانا محمد علی جوہر، حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے دل و دماغ، ورع و تقویٰ، صبر و تحمل، حمیت و غیرت اور کمالات و فضائل میں اسلاف کے مکمل نمونہ۔ آپ کے والد ماجد کا نام شیخ عنایت اللہ بن فیض اللہ بن خیر اللہ بن عباد اللہ ہے۔ اور اس سے دو چار پشت اوپر آپ کا سلسلۂ نسب شیخ جمال یمنی سے جا ملتا ہے جن کے والد یمن کے باشندے تھے اور وہاں سے موتی لاکر ہندوستان میں فروخت کرتے تھے۔

آپ کی ولادت ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء میں بمقام شہر شاہجہانپور ہوئی۔ عربی کی تعلیم مولانا عبید الحق خاں شاہجہاں پوری سے شروع کی۔ پھر تقریباً دو برس مدرسہ شاہی مراد آباد میں پڑھا۔ پھر دار العلوم دیوبند میں داخل ہو کر مندرجہ ذیل اساتذہ سے حدیث پڑھی۔ حضرت مولانا عبدالعلی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ۔ اور مندرجہ ذیل اساتذہ سے دیگر علوم و فنون پڑھے۔ مولانا منفعت علی دیوبندی۔ مولانا حکیم محمد حسن دیوبندی (برادر خورد حضرت شیخ الہند) مولانا غلام رسول ہزاروی۔ مولانا خلیل احمد انبیٹھوی سہارنپوری رحمہم اللہ تعالیٰ۔

آپ ۱۳۱۵ھ ۱۸۹۷ء میں فارغ التحصیل ہو کر اپنے اولین استاد مولانا حمید الحق خاں کے اصرار کی وجہ سے شاہجہانپور گئے۔ وہاں مولانا موصوف نے جو مدرسہ عین العلم کے مہتم تھے آپ کو مدرسہ مذکور میں صدر مدرس بنا دیا اور دفتری نظام بھی سارا آپ کے سپرد کر دیا۔ اسی زمانے میں آپ نے شاہجہاں پور سے ایک رسالہ بنام البرھان اپنی ادارت میں جاری کیا تھا جس میں قادنیت کے رد میں ایک مستقل و مسلسل مضمون بعنوان "احسن البیان" آپ خود تحریر فرماتے تھے۔ یہ رسالہ آپ کے دہلی تشریف لے آنے کے بعد زیادہ عرصے جاری نہ رہ سکا۔ رسالہ کے منیجر حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صدر مفتی دار العلوم دیوبند کے بڑے بھائی منشی سلطان حسن میاں تھے۔

۱۳۲۱ھ ۱۹۰۳ء میں آپ مدرسہ امینیہ دہلی میں بعہدہ صدر مدرس و مفتی مامور ہو کر تشریف لائے جبکہ کچھ عرصے قبل حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے وطن چلے گئے تھے۔

مدرسہ امینیہ آپ کے ایک ہم سبق ہم جماعت رفیق حضرت مولانا امین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۱۵ھ ۱۸۹۷ء میں مسجد روشن الدولہ چاندنی چوک دہلی میں جاری کیا تھا۔ ان کے شریک کار اور پہلے صدر مدرس حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری تھے۔

رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ ۱۹۲۰ء میں جبکہ حضرت مفتی اعظم اپنے شیخ و استاد مولانا محمود حسن اسیر مالٹا قدس سرہٗ کی رہائی کے بعد ان کے استقبال کے لئے ساحل بمبئی پر تشریف لے گئے تھے مولانا امین الدین بانی و مہتمم مدرسہ کی وفات ہوئی۔ جدید انتظام و اہتمام کا فیصلہ کرنے کے لئے مدرسے کے سرپرستوں اور دیگر معززین شہر کی درخواست پر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مورخہ ۹ شوال ۱۳۳۸ھ کو دیوبند سے دہلی تشریف لائے۔ مدرسے میں معززین شہر کی میٹنگ ہوئی حضرت نے سرپرستان مدرسہ سے مشورہ فرما کر حضرت مفتی اعظم کو مدرسے کے انتظام و

اہتمام کی ذمہ داری بھی سونپ دی۔

مسجد پانی پتیان جو نواب لطف اللہ خاں صادق پانی پتی نے ۱۱۳۸ھ ۱۷۲۵ء میں بنائی تھی بہت بوسیدہ ہوگئی تھی۔ اور نشیب میں آگئی تھی۔ آپ نے اس کو از سر نو ۱۳۵۳ھ ۱۹۳۴ء میں بعض اہل خیر مسلمانوں کے چندے سے نہایت خوبصورت اور سنگین تعمیر کرایا۔ آپ نے ۱۳۶۲ھ ۱۹۴۳ء میں مدرسے کی ایک منتظمہ کمیٹی بنائی۔ جس کے اولین ارکان مندرجہ ذیل حضرات کو نام زد فرمایا:۔

حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہؒ بحیثیت مہتمم، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ۔ حاجی شیخ رشید احمد تاجر اسلحہ۔ حکیم حاجی شریف الدین بقائی۔ حاجی مولوی عزیز الرحمن مجتبائی۔ حاجی حافظ احسان الٰہی۔

جمعیۃ علمائے ہند کی تاسیس کے وقت آپ کو نائب صدر بنایا گیا تھا۔ اور جمعیۃ کی صدارت حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کے لئے محفوظ رکھی گئی تھی جو اس وقت مالٹا میں نظر بند تھے۔ چنانچہ جمعیۃ کے دوسرے اجلاس منعقدہ دہلی کی صدارت حضرت شیخ الہند نے فرمائی۔ اگرچہ علالت کی وجہ سے جلسہ میں تشریف نہ لا سکے۔ اور اجلاس کے بعد ہی حضرت کا وصال ہوگیا۔ اس کے بعد ۱۹۳۹ء تک حضرت مفتی صاحب جمعیۃ کے صدر رہے آپ کی بے نفسی وخلوص کی ایک ادنی مثال یہ ہے کہ اپنی صدارت کے طویل زمانے میں آپ نے سالانہ اجلاسوں کی صدارت نہیں کی بلکہ بہت سے گوشہ نشین علماء کو صدارت کے ذریعہ سے عوام میں روشناس اور سیاسی دنیا میں متعارف کرایا۔

سلطان ابن سعود کی دعوت پر جو موتمر عالم اسلامی مکہ معظمہ میں مورخہ ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ ۱۹۲۵ء کو علامہ شریف عدنان کی صدارت میں منعقد ہوئی تھی۔ آپ اس میں جمعیۃ علمائے ہند

کا وفد لے کر بحیثیت رئیس الوفد شریک ہوئے۔ مجلس مضامین کے لئے جو ارکان نام زد کیے گئے ان میں مفتی اعظم فلسطین الحاج علامہ سید امین الحسینی کے بعد آپ ہی کا اسم گرامی تھا۔ آپ نے سلطان ابن سعود سے مطالبہ کیا کہ مؤتمر میں حجاز کے لئے تشکیل حکومت کا مسئلہ بھی زیر بحث آنا چاہیئے۔ چنانچہ یہ مسئلہ ایجنڈا میں شامل کر لیا گیا۔ کانفرنس میں آپ نے انسداد غلامی کی تجویز پیش کر کے پاس کرائی۔ اس کے علاوہ ایک اور نہایت اہم تجویز پیش کر کے پاس کرائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "عالم اسلام کے ہر عقیدے کے مسلمان اپنے عقائد کے مطابق اعمال حج وزیارت میں آزاد ہوں گے۔ حکومت حجاز اپنے معتقدات کی رو سے کسی پر کوئی پابندی عائد نہیں کرے گی۔ آپ نے کانفرنس میں نمایاں طور پر آخر تک عملی حصہ لیا اور مسلمانوں کی نمائندگی کا حق ادا کر دیا۔

آپ نے ساردا ایکٹ کے خلاف مجلس تحفظ ناموس شریعت ۱۹۲۹ء میں بنائی اور جمعیۃ علما کی طرف سے عام ایجی ٹیشن اور قانون شکنی کا اعلان کیا اور خود بھی اس قانون شکنی میں شریک ہوئے۔ ساردا بل پر بڑی معرکۃ الآرا تنقید شائع کی۔

پھر سنہ ۱۹۳۰ء میں آپ نے نہرو رپورٹ پر ایک مفصل و مدلل تنقید شائع کی۔ آپ نے ۱۹۳۸ء ۱۳۵۷ھ میں تقسیم فلسطین کے خلاف تمام ہندوستان میں زبردست مظاہرہ کرایا۔ اور ۱۷ اکتوبر سنہ ۱۹۳۸ء کو جو مصر میں علامہ علی علوبہ باشا کی صدارت میں مؤتمر منعقد ہوئی۔ اس میں بھی جمعیۃ علمائے ہند کے نمائندے کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے۔

ملکی سیاست اور قومی و ملی مسائل میں آپ کی دلچسپی اسی وقت سے شروع ہو گئی تھی جبکہ آپ ۱۹۰۳ء ۱۳۲۱ھ میں دہلی تشریف لائے۔ دہلی میں آپ کے قریب ترین رفیق کار حکیم اجمل خاں تھے۔ بعد میں ڈاکٹر انصاری اور مولانا محمد علی بھی آپ کے سیاسی رفقاء میں

شامل ہوئے۔ ۱۹۱۶ء اور ۱۹۱۷ء کا زمانہ جبکہ مسلمانوں کی لیڈر شپ مسلم لیگ کے ہاتھ میں تھی۔ علما بالعموم گوشہ نشین تھے۔ معدودے چند علما مثلاً مولانا شبلی اور مولانا آزاد وغیرہ سیاسیات میں کچھ دلچسپی لے رہے تھے۔ مسلمانوں کے قومی و ملی حقوق کے بارے میں کوئی مطالبہ کرنا یا آزادی کا نام لینا بہت ہی خطرناک کام تھا۔ ایسے زمانے میں وہ سب سے پہلی آواز جو اس بارے میں بلند ہوئی وہ مفتی اعظم کی آواز تھی۔ لارڈ مانٹیگو کی آمد کے موقع پر آپ نے میثاق لکھنؤ پر ایک مفصل تنقید بصورت پمفلٹ شائع کی۔ اس کی تمہید میں مسلمانوں کے مذہبی و قومی مطالبات کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

آزادی کی خواہش انسان کی طبعی خواہش ہے۔ کوئی فرد بشر بجا طور پر حکومت خود اختیاری کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ صاحب وزیر ہند بہادر ہوم رول کے متعلق ہندوستانیوں کے خیالات معلوم کرنے کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ اگر ہندوستان کی قومیں ہوم رول کی خواہش کریں اور آزادی کی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کریں تو ان کی یہ خواہش اور کوشش حق بجانب ہو گی۔"

آگے میثاق لکھنؤ پر مفصل تنقید کی ہے۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ "ایسی خود مختار حکومت جس میں مسلمانوں کی مذہبی آزادی کے تحفظ کا خیال نہ رکھا گیا ہو۔ درحقیقت بے اختیاری کے مساوی ہے بلکہ رہی سہی آزادی بھی کھو بیٹھنا ہے۔"

غرضکہ اپنے معاصرین میں آپ کی ہستی ایک جامع الکمالات ہستی تھی۔ فقہ و افتا میں تو خاص طور پہ آپ کو بالاتفاق امام العصر اور بوحنیفۂ وقت تسلیم کیا گیا اور تمام عالم اسلامی میں آپ کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی۔ عربی ادب میں بھی آپ کا درجہ بہت بلند تھا۔ ایک عرب عالم جو ہندوستان میں اپنے کسی کام سے تشریف لائے تھے۔ انہوں نے

آپ سے ملاقات کرنے گئے۔ بعد کسی مجلس میں فرمایا کہ ہندوستان کے علما میں سے مفتی کفایت اللہ کو میں نے نہایت فصیح اور عالمانہ عربی زبان میں بولتے ہوئے دیکھا۔

جامعہ ازہر کے امیر اور شیخ علامہ مصطفیٰ المراغی نے آپ کی ملاقات سے متاثر ہو کر فرمایا تھا۔ یتبلج العلم والوقار من جبینہ یعنی آپ کی پیشانی سے علم اور وقار ابل رہا ہے۔

آپ کے دو نکاح ہوئے۔ پہلی اہلیہ محترمہ سے ایک لڑکا ہوا تھا مگر صغیر الحسن فوت ہوا۔ کچھ عرصے کے بعد اہلیہ محترمہ بھی وفات پا گئیں۔ دہلی تشریف لانے سے کچھ قبل دوسرا نکاح ہوا۔ یہ اہلیہ محترمہ (یعنی راقم الحروف کی والدہ ماجدہ) بحمد اللہ بقید حیات ہیں۔ ان کا پہلا فرزند صغیر الحسن فوت ہوا۔ پھر ۱۳۲۸ھ میں راقم الحروف کی ولادت ہوئی۔ والدہ محترمہ کی سات اولادوں میں سے اب ہم دو بھائی اور دو بہنیں موجود ہیں۔

مدرسہ امینیہ کی صرف انتظامی خدمت راقم الحروف انجام دے رہا ہے۔ نیز حضرت کے فتاوی کے عظیم الشان ذخیرے کی بتویب بھی کر رہا ہے۔ جس کا مسودہ مکمل ہو چکا ہے۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ء ۱۳۷۲ھ رات کو ساڑھے دس بجے آپ نے سفر آخرت اختیار فرمایا اور یکم جنوری ۱۹۵۳ء کو درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے دروازے اور ظفر محل کے درمیان مدفون ہوئے۔

(مزید حالات کتاب "مفتی اعظم کی یاد" میں ملاحظہ فرمائیے)

مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی رحمہ اللہ

۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء کے قریب سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد قادر بخش صاحب مرحوم شہر کے اہم اور معزز رئیس تھے۔ شروع میں اسکول اور کالج میں تعلیم پائی۔ مگر ایف اے میں اس تعلیم کا سلسلہ منقطع کر کے ہمہ تن عربی و اسلامی تعلیم میں منہمک ہو گئے۔ سیالکوٹ میں مولانا غلام حسن صاحب سلفی مسلک کے عالم باعمل تھے ان سے پڑھتے رہے۔ پھر استاذ پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی سے حدیث پڑھی۔ اسی دوران میں والدہ نے خواہش ظاہر کی کہ رمضان آ رہا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر ابراہیم تراویح میں قرآن مجید سناتا۔ والدہ کی آرزو اور طبعی میلان کی بنا پر فوراً قرآن مجید یاد کرنا شروع کیا اور حیرت انگیز طور پر صرف ایک ماہ میں یاد کر لیا۔ پھر دہلی جا کر حضرت میاں سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھی اور کچھ عرصے مدرسہ رحمانیہ دہلی میں مدرس بھی رہے۔ بعد ازاں سیالکوٹ تشریف لے آئے۔

سلفی المسلک (عرف عام میں اہل حدیث) ہونے کی وجہ سے بعض مقامی مبتدعین سے کشمکش رہتی تھی اسلئے والد محترم نے بسہولت اپنی نماز وغیرہ ادا کرنے اور تعلیم و تدریس کے لئے علیحدہ مسجد بنوا دی جس میں آخر عمر تک شغل تدریس جاری رکھا۔ مشاہیر علما میں سے کئی آپ کے شاگرد ہیں جو پاکستان کے مختلف مقامات پر دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان میں سے ایک جمعیۃ اہل حدیث مغربی پاکستان کے موجودہ امیر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بھی ہیں۔

مشغلہ تعلیم و تدریس کے علاوہ مولانا موصوف شہر کے عوام کے لئے بعد نماز فجر درس قرآن دیا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں مولانا ثناء اللہ مرحوم کے ساتھ مل کر بھی اور علیحدہ بھی مخالفین اسلام

کے ساتھ بہت سے مناظرے کیے اور اپنی قابلیت کے علاوہ اسلام کی حقانیت کا لوہا منوایا۔ تبلیغی سلسلے میں دہلی۔ رنگون۔ کلکتہ۔ دکن تک جانے کے علاوہ شہر و ضلع سیالکوٹ میں تحریر و تقریر کے ذریعہ قابل قدر خدمات انجام دیں۔ شروع میں آپ سیاسی نقطۂ نظر میں جمعیۃ علمائے ہند سے متفق رہے لیکن بعد میں تحریک پاکستان کے زبردست حامی و مؤید ہو گئے تھے۔

آپ کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد اسی کے قریب ہے۔ جن میں سے شہادت القرآن (مسئلہ حیات مسیح) واضح البیان (تفسیر سورۂ فاتحہ) تبصیر الرحمٰن (۳۔ ابتدائی پاروں کی تفسیر) اور سیرۃ المصطفٰے۔ علمی حلقوں میں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

آپ نے مختلف اوقات میں تین شادیاں کیں مگر اولاد سے محروم رہے۔

جنوری ۱۹۵۶ء میں سیالکوٹ میں آپ کی وفات ہوئی اور سیالکوٹ میں ہی دفن کیے گئے۔ (بشکریہ جناب پروفیسر ساجد میر صاحب سیالکوٹ)

مولانا ابراہیم صاحب کشمیری تھے۔ میر ان کی قوم ہے تخلص نہیں ہے شعر و شاعری سے ان کو کوئی نسبت نہ تھی۔ مدرسہ رحمانیہ ۱۹۴۷ء سے پہلے ہی چھوڑ دیا تھا سیالکوٹ میں ہی رہے۔ ان کے والد بزرگوار ٹھیکیداری کرتے تھے۔ خاصے خوش حال آدمی تھے۔ سیالکوٹ میں خاصی جائداد تھی۔ مولانا نے اپنی مسجد کے لئے کچھ جائداد بھی وقف فرمائی۔

مولانا مرحوم لاولد تھے۔ ان کا دوسرا بھائی کثیر الاولاد تھا۔ بس دو ہی بھائی تھے۔

(بشکریہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب امیر جمعیۃ اہل حدیث مغربی پاکستان)

سحبان الہند مولانا مولوی حافظ احمد سعید دہلوی صدر جمعیتہ علمائے ہند

جمعیتہ علمائے ہند کے اولین ناظم عمومی، ہندوستان کے اعلیٰ ترین شیریں مقال واعظ مقرر اور مناظر، حضرت مفتی اعظم کے خاص تربیت یافتہ شاگرد، اور دست و بازو اور معتمد رفیق کار۔ آپ کی رفاقت کا زمانہ تقریباً ۱۹۱۲ء سے شروع ہو کر ۱۹۵۲ء میں حضرت مفتی اعظم کی وفات پر ختم ہوتا ہے۔ اس طویل عرصے میں آپ اُن کی زندگی میں پورے دخیل رہے۔ سفر و حضر میں قومی وسیاسی کاموں میں علمی مشاغل میں غرضکہ زندگی کے تمام شعبوں میں ہر وقت رفاقت رہی۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ کی وفات (دسمبر ۱۹۵۷ء) کے بعد آپ کو جمعیتہ علمائے ہند کا صدر منتخب کیا گیا۔ مگر سالانہ اجلاس کی صدارت فرمانے سے قبل آپ نے دُنیائے فانی کو چھوڑ دیا۔

آپ کا سن پیدائش ۱۳۰۶ھ ۱۸۸۸ء اور مولد و منشا کوچہ ناہر خاں علاقہ دریا گنج دہلی ہے۔ آپکے والد کا اسم گرامی نواب مرزا تھا جو زینت المساجد میں امام تھے اور مکتب بھی پڑھاتے تھے۔ آپ کے دادا خواجہ نواب علی دہلی کے ایک صوفی اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ آپ کے مورث اعلیٰ اکبر بادشاہ کے زمانے میں عرب سے کشمیر میں آئے۔ پھر شاہجہاں بادشاہ کے زمانے میں یہ خاندان کشمیر سے آگرے آیا۔ کچھ عرصے وہاں رہ کر دہلی میں منتقل ہوا۔ آپ کے آبا و اجداد کو مغل دربار میں رسائی حاصل تھی۔ اور خواجہ زادہ مغل کا خطاب عطا ہوا تھا۔

آپ نے ابتدائی تعلیم مولوی عبدالمجید مصطفےٰ آبادی سے حاصل کی۔ اور تکمیل حفظ قرآن کی دستار بندی مدرسہ حسینیہ بازار مٹیا محل دہلی میں ہوئی۔ مدرسہ حسینیہ میں مناظرے کی بھی مشق کرائی جاتی تھی۔ آپ نے حفظ قرآن سے فارغ ہوتے ہی مناظرے کی بھی کچھ مشق شروع کر دی اور

چونکہ مولانا عبدالرحمٰن راسخ اور مولانا محمد ابراہیم واعظ دہلوی کا وعظ سنتے تھے خود بھی وعظ کہنے لگے۔ اُس وقت تعلیمی قابلیت حفظِ قرآن سے زیادہ نہ تھی۔

جب آپ کی عمر تقریباً بائیس برس کی تھی۔ والد محترم کا انتقال ہوچکا تھا۔ شادی بھی ہوچکی تھی۔ گھر کا سارا بار آپ ہی کے اوپر تھا۔ ذریعہ معاش یا تو تارکشی کا کام تھا یا وعظوں کا نذرانہ۔ اُس وقت حضرت مفتی اعظم کے ایک شاگردِ خاص حضرت مولانا قاری محمد یاسین صاحب سکندرآبادی ثم رامپوری سے آپ نے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر ۱۳۳۲ھ میں باقاعدہ مدرسہ امینیہ (سنہری مسجد) میں داخلہ لے کر پڑھا اور ۱۳۳۶ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔

فارغ التحصیل ہونے سے پہلے بھی آپ بطور معین مدرس مدرسے میں پڑھاتے تھے۔ اور بعد میں کافی عرصے تک پڑھاتے رہے۔ پھر آپ نے کٹرہ ہدو محلہ فراش خانے میں تقریباً چودہ برس تک ترجمۂ قرآن بیان فرمایا۔

آپ کا تعلیم کا اور فارغ التحصیل ہوتے کا زمانہ مناظروں کا زمانہ تھا۔ آپ نے بڑے بڑے زبردست مناظرے کیے۔ مناظرے میں آپ مناظر ہوتے تھے اور آپ کے مربی و استاد حضرت مفتی اعظمؒ معین ہوتے تھے۔

جمعیۃ علما کے قیام کے ساتھ ہی آپ کی سیاسی زندگی شروع ہوگئی۔ ۱۹۲۱ء میں آپ پہلی مرتبہ گرفتار ہوئے۔ اور میانوالی جیل میں رکھے گئے۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۲۲ء کو رہائی ہوئی۔ تحریکاتِ آزادی کے دور میں آپ کو آٹھ مرتبہ گرفتار کیا گیا۔ ۱۹۳۰ء ۱۹۳۲ء کی تحریک میں علی الترتیب دو مرتبہ آپ حضرت مفتی اعظمؒ کے ساتھ گجرات جیل میں اور ملتان جیل میں بھی رہے۔ آپ ۱۹۳۹ء میں حضرت مفتی اعظم کے ساتھ ہی جمعیۃ علمائے ہند کی نظامت سے مستعفی ہوئے تھے۔

آپ نہایت اعلیٰ درجے کے مقرر، خطیب اور شیریں بیان واعظ تھے۔ تین ساڑھے تین گھنٹے تک وعظ کہنا آپ کے لئے کچھ مشکل نہ تھا۔ شیریں بیانی اور خاص دِلّی کی زبان کی وجہ سے آپ کا وعظ بہت مؤثر اور تقریر نہایت دلچسپ اور پُرمغز ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے اہلِ ہند نے آپ کو سحبان الہند کا خطاب دیا (سحبان نام کا ایک مشہور خطیب و مقرر تھا۔ عرب میں جس کی فصاحت و بلاغت اور قوت بیان دنیائے اسلام میں ضرب المثل ہے۔

حضرت مفتیٔ اعظم کی وفات کے بعد تقریباً ڈھائی سال تک آپ مدرسہ امینیہ کے اعزازی مہتمم رہے۔ پھر راقم الحروف کی عزت افزائی فرما کر اگرچہ ضابطے کے طور پر خود مستعفی ہوگئے۔ مگر زندگی کے آخری لمحات تک اس کی منتظمہ کے رکن رکین اور نگران و سرپرست رہے۔

شرکت مؤتمر حجاز کے لئے آپ بھی ۱۹۲۶ء میں وفد جمعیۃ علما کے ایک رکن کی حیثیت سے حضرت مفتیٔ اعظم کے ساتھ حجاز تشریف لے گئے تھے۔ ۱۹۴۷ء کی قیامت صغریٰ جو ہندوستان کے مسلمانوں پر برپا ہوئی۔ اس میں اور اس کے بعد تا دم واپسیں آپ نے بمعیت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی مرحوم جو خدمات انجام دیں وہ تاریخ کا ایک عظیم الشان اور سنہرا باب ہے۔

آپ کو جوانی میں مرض سل لاحق ہوا تھا۔ اور ڈاکٹروں نے آپ کو تقریر کرنے سے منع کیا تھا۔ اس زمانے میں لاؤڈ اسپیکر بھی نہیں آیا تھا۔ بولنے میں قوت بھی زیادہ صرف ہوتی تھی مگر عمر بھر تقریریں کرتے رہے اور خوب تندرست رہے۔ علم و فضل کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وجاہت اور تن و توش بھی عطا فرمایا تھا۔ کچھ عرصے کے

لبنہ پُرانا مرض جاتا رہا تھا مگر بڑھاپے کا دور شروع ہونے پر اختلاج وغیرہ کی شکایت رہتی تھی۔

مورخہ ۴ر دسمبر ۱۹۵۹ء مطابق ۳ر جمادی الثانی ۱۳۷۹ھ بروز جمعہ بعد نماز مغرب حرکت قلب بند ہو گئی اور وہ بلبل ہزار داستان جس کی شیریں بیانی کا نصف صدی تک ڈنکا بجتا رہا ساڑھے سات بج کر دس منٹ پر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔

دوسرے دن بروز ہفتہ آپ کے مردانہ مکان (واقعہ کٹرہ مہر پرور) سے جنازہ مہرولی لے جایا گیا اور حضرت مفتی اعظمؒ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

(مزید حالات کتاب "مفتی اعظم کی یاد" میں ملاحظہ فرمائیے)

مولانا کی بہت سی تصانیف ہیں۔ مثلاً خدا کی باتیں۔ تقریر سیرت۔ جنت کی کنجی۔ دوزخ کا کھٹکا وغیرہ۔ لیکن سب سے اہم آپ کی اردو تفسیر قرآن ہے۔ آپ نے ایک اہلیہ چار فرزند اور چار صاحبزادیاں چھوڑیں۔ فرزندوں کے نام یہ ہیں۔ مولوی حافظ محمد سعید۔ مسٹر منظہر سعید۔ مسٹر محمود سعید۔ مسٹر حامد سعید۔ افسوس کہ مولوی حافظ محمد سعید میونسپل کونسلر بھی اس عالم فانی میں نہیں ہیں۔ اللہ مغفرت فرمائے۔ مولوی صاحب مرحوم بھی صورت شکل میں تن و توش میں۔ عادات و خصائل میں بالکل اپنے والد کا نمونہ تھے۔

مولانا سید کمال الدین احمد جعفری الہ آبادی

آپ کے حالات راقم الحروف کو دستیاب نہیں ہو سکے۔

مولانا محمد قدیر بخش، بدایونی

ایک مستند عالم تھے جن کے والد ماجد حضور تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (فقیر کے نانا صاحب) سے مرید تھے اور موصوف بھی حضور مطیع الرسول مرشدی مولانا عبدالمقتدر رح کے مخصوص تلامذہ اور مریدین میں تھے۔ بدایوں میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ آخر عمر میں مدرسہ تعلیم الاسلام جے پور میں صدر مدرس رہے۔ تقسیم کے بعد کراچی چلے گئے جہاں کچھ عرصے بعد تقریباً ستر برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

(از قلم مولانا خواجہ غلام نظام الدین صاحب بدایونی)

مولانا تاج محمود سندھی (امروٹ۔ صوبہ سندھ)

آپ کا اسم گرامی مولانا تاج محمود ہے۔ بعض کتابوں اور اخبارات میں تاج محمد غلط لکھا گیا ہے۔ اخبار الجمعیۃ میں آپ کی خبر وفات شائع ہوئی تھی۔ اس میں آپ کا اسم گرامی تاج محمود ہی ہے۔

وہو ہذا۔

مولانا مولوی سید تاج محمود صاحب (امروٹ شریف۔ صوبہ سندھ) بعمر ۵۷ سال ۵ نومبر ۱۹۲۹ء رحلت فرما گئے۔ مولانا موصوف صوبہ سندھ کے ایک جید و متبحر فاضل ولی کامل اور ہزاروں انسانوں کے تکیہ گاہ تھے اور سنجیدہ طبقہ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھا۔ آپکی ساری عمر اعلائے دین متین اور مسلمانوں کی خدمت میں گزری۔ آپ کے سیاسی مرتبے کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ مصاف زندگی اور جہاد آزادی کی صف اوّل میں تھے اور صوبہ سندھ کا تمام سیاسی پروگرام آپ ہی کی ذات سے وابستہ تھا۔

ترکِ موالات کے زمانے میں آپ نے اپنے ضعفِ پیری کے باوجود جو کارِ نمایاں انجام دیئے اس کا احساس وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو موصوف سے ذرا سا بھی تعلق رہا ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کئی مرتبہ مرحوم کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے اور وہیں بیٹھ کر بہت سے ٹھوس کام انجام دیئے۔ مرحوم کی متعدد تصنیفات کے علاوہ سندھی زبان میں ترجمۂ قرآن بھی ہے جو کئی مرتبہ چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ مرحوم کی آخری جد و جہد ان مساجد کے تحفظ میں جاری رہی جو سکھر کنال کے درمیان آ گئی تھیں۔ اور جن کو حکومت نے زمین دوز کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر آپ کی بروقت مداخلت نے حکومت کو اس خوفناک اقدام سے باز رکھا۔ غرض مرحوم کیا تھے ہندوستان کے چشم چراغ تھے۔ افسوس ہندوستان بالخصوص صوبہ سندھ ایک ایسی جلیل و عظیم ہستی سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گیا۔ جس کے فیوض و برکات نے کشت زارِ سندھ کو سرسبز و شاداب بنا رکھا تھا۔ خداوند تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور پس ماندگان صبر و شکر کی توفیق سے مالا مال ہوں۔ آمین!

(سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۱۳ ؍ نومبر ۱۹۲۹ء)

مولانا محمد ابراہیم دربھنگوی

مولانا محلہ دمدمہ شہر دربھنگہ کے رہنے والے تھے۔ اور انصار برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد منشی ظہیر الدین صاحب شہر کے ممتاز تاجروں میں تھے۔ آپ کی ولادت ۱۳۰۶ھ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر ہی پر مولوی محمد نبی بخش صاحب سے حاصل کی جو فارسی کے اچھے اور ممتاز اساتذہ میں سے تھے۔ پھر مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں داخل ہو کر علوم عربیہ کی تکمیل کی۔ حدیث کی کتابیں حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری سے پڑھیں (جو اس زمانے میں یعنی ۱۳۲۷ھ اور ۱۳۲۸ھ کے لگ بھگ وہاں

صدر مدرس تھے ۔ واصف) ایام تعلیم ہی سے منطق سے ذوق تھا۔ فراغت کے بعد اس کی تکمیل کے لئے ٹونک تشریف لے گئے۔ ملت اسلامیہ کی فلاح اور مسلمانوں کی اصلاح اور ہندوستان کی آزادی میں ہمیشہ کوشاں رہے۔ بہار کے دورہ میں علی برادران کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔ خلافت اور انگورہ (ترکوں کی امداد) کی تحریک میں دربھنگہ اور بہار کے دوسرے مقامات میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔ دربھنگہ میونسپل بورڈ کے میونسپل کمشنر اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر کی حیثیت سے شہر و مضافات میں بہت سے اصلاحی کام انجام دیئے۔ حضرت مولانا سجاد رحمۃ اللہ علیہ کی معیت و شرکت میں صوبہ بہار میں بالعموم اور دربھنگہ میں بالخصوص جمعیۃ علما اور کانگریس کے لئے کام کرتے رہے۔ دربھنگہ کی سیاست آپ کے دم سے تھی۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب نے دربھنگہ کو علوم دینیہ اور مولانا محمد ابراہیم نے سیاست سے روشناس کیا تو بے جا نہ ہوگا۔

آخر عمر تک یتیم خانہ انجمن اسلامیہ دربھنگہ کے مہتمم رہے۔ آپ کے دور اہتمام میں یتیم خانہ نے وہ ترقیاں حاصل کیں جو اس کی تاریخ کے سنہرے ابواب ہیں۔ آپ کا ارتحال مورخہ ۲۴ محرم ۱۳۴۶ھ کو وطن میں ہی ہوا۔ پس ماندگان میں دو لڑکے اور ایک لڑکی بقید حیات ہیں۔ بڑے لڑکے مولوی مطیع الرحمٰن انصاری۔ اے ۔ پی ۔ آر ۔ او یعنی محکمہ تعلقات عامہ میں کام کر رہے ہیں۔ دوسرے لڑکے ڈاکٹر عبدالقیوم انصاری اینٹی ملیریا کے محکمے میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہیں۔

مولانا کی لڑکی کی شادی احقر (مولوی صغیر احمد) سے ہوئی۔ وہ بھی بحمد اللہ حیات ہیں۔ اس احقر کو غالباً آپ جانتے ہوں گے۔ ۱۹۳۲ء میں ایک جماعت طلبہ کی دارالعلوم دیوبند سے احقر کی قیادت میں دہلی آئی تھی۔ اور جامع مسجد کے سامنے میری تقریر خلاف گورنمنٹ برطانیہ ہو رہی تھی کہ گرفتار کر لیا گیا۔ دو سال قید بامشقت کی سزا ہوئی۔ دہلی جیل کے

سے کچھ دنوں کے بعد ملتان جیل بھیج دیا گیا تھا۔

(از مولوی صغیر احمد صاحب محلہ مہراج گنج۔ لہریا سرائے دربھنگہ)

مولانا مرحوم نے حضرت مولانا عبدالوہاب سے بھی کچھ کتابیں پڑھیں۔ یتیم خانہ اسلامیہ پہلے مدرسہ امدادیہ میں تھا۔ آپ نے یتیم خانے کو علیحدہ کرکے مدرسہ کے پچھم کی طرف مستقل عمارت تعمیر کرکے مستقل مدرسے کی شکل دیدی۔ عمر نے وفا نہیں کی اور جوانی میں رحلت فرمائی۔ (از مولانا محمد عثمان صاحب۔ مدرسہ رحمانیہ سوپول ڈاکخانہ بیردی ضلع دربھنگہ)

مولانا خدا بخش مظفر پوری

مولانا موصوف مظفر پور محلہ اسلام پور کے باشندے تھے۔ رائیں برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ دیوبند سے فراغت تعلیم حاصل کی تھی مسلکاً حنفی المذہب اور عقیدۃً بہت پختہ تھے۔ مظفر پور میں ایک مدرسہ قائم کر رکھا تھا جس کا نام مدرسہ فیض عام تھا۔ خود مہتمم تھے۔ مدرسے کے سلسلے میں رنگون، کلکتہ اکثر جاتے رہتے تھے۔ یہ مدرسہ تقریباً بیس سال جاری رہا۔ مولانا کے انتقال کے بعد ختم ہوگیا۔ مولانا کی وفات جنوری ۱۹۳۶ء میں تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں ہوئی۔ آپ نے کوئی اولاد نرینہ نہیں چھوڑی تین لڑکیاں ہیں۔ پہلی بیوی سے ایک لڑکی ہے جس کی شادی محمد اسمٰعیل صاحب کنٹراکٹر سے ہوگئی۔ یہ محلہ اسلام پور میں رہتے ہیں اور اپنی برادری کے ممتاز لوگوں میں سے ہیں۔ میونسپل کمشنر ہیں۔ مدرسہ جامع العلوم مظفر پور کی مجلس منتظمہ کے رکن ہیں۔ دوسری بیوی سے دو لڑکیاں ہیں، جن کی شادیاں مولانا کے انتقال کے بعد دانا پور میں ہوئیں۔ اسمٰعیل صاحب موصوف جو مولانا مرحوم کے بڑے داماد ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ مولانا ریاض احمد بنیادی

کہا کرتے تھے کہ مولانا خدا بخش میرے ساتھیوں میں تھے اور مولانا عبدالشکور، آہ مظفرپوری سابق صدر مدرس جامع العلوم بعدہٗ مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ اور مولانا بشارت کریم گرہولوی بھی مولانا کے معاصر اور رفیق تھے۔ مولانا خدا بخش مرحوم کا مزاج سخت تھا مگر بہت دیندار اور متقی عالم تھے۔ مولانا کے بڑے بھائی منشی رحیم بخش ڈاکخانے کے پوسٹ ماسٹر تھے۔ کافی عمر پاکر چند سال ہوئے انتقال کیا۔ وہ خانقاہ رحمانیہ سے وابستہ تھے (از مولوی عبدالمغنی خوشتر مدرسہ جامع العلوم مظفرپور۔ بتوسط حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی مدظلہ مونگیری)

مولانا خدا بخش ۱۳۱۶ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے تھے۔ (واصف از روئداد دارالعلوم دیوبند) مولانا کا سن پیدائش ۱۸۶۹ء ہے۔ والد کا نام محمد حسن تھا۔ مزاج کی سختی کی وجہ سے شہر میں مقبولیت عامہ حاصل نہ ہوسکی۔ مولانا کے انتقال کے بعد مدرسہ فیض عام بھی ختم ہوگیا۔ (از مولانا اختر الزماں صاحب مہتمم مدرسہ جامع العلوم مظفرپور)

مولانا مولا بخش امرتسری

آپ مدرسہ تقویۃ الاسلام امرتسر کے مدرس تھے۔ اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں ہوسکے۔

مولانا عبدالحکیم گیاوی

آپ علاقہ بہار کے ایک مشہور گاؤں "اوگانواں" ضلع پٹنہ کے باشندے

تھے. نسباً شیخ صدیقی اور مسلکاً حنفی تھے۔ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد نائب امیر شریعت بہار واڑیسہ کے شاگرد رشید تھے معقول ومنقول کی تمام اونچی کتابیں مولانا ممدوح سے پڑھی تھیں۔ درس نظامیہ کے جید الاستعداد استاذ تھے۔ تقریر وتحریر کا بھی خاصا ذوق تھا۔ نہایت سلجھی اور مرتب تقریر کرتے تھے۔ تحریر بھی نہایت شگفتہ اور روان لکھتے تھے. انہیں صلاحیتوں کی بنا پر حضرت مولانا سجاد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قائم کردہ مدرسے "انوار العلوم" گیا میں ان کو پہلے مدرس بنایا۔ پھر ان کی انتظامی صلاحیت (اور اپنی مصروفیت) کی بنا پر مدرسے کا اہتمام بھی ان کے سپرد کر دیا۔ اور خود بحیثیت سرپرست ونگراں رہے۔

۱۹۱۹ء میں جب علما کے اجتماع بمقام دہلی کا منصوبہ طے پایا تو حضرت مولانا سجاد صاحب بہار کے سیاسی معاملات میں ایسے اُلجھے ہوئے تھے کہ ایک دن کے لئے بھی باہر نہیں جا سکتے تھے۔ مجبوراً اپنی جگہ پر مولانا عبدالحکیم صاحب کو اپنا پیام اور مشورہ دیکر بھیجا۔ اس کے بعد آخری دم تک جمعیۃ علمائے ہند کے ہر اہم معاملے میں حضرت مولانا خود شریک ہوتے رہے۔

مولانا عبدالحکیم اپنی زندگی کے آخری ایام تک مدرسہ انوار العلوم گیا کے مہتمم رہے اور مولانا کے معتمد وجانشین رہے، اور مدرسے کے انتظام کو بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ وفات اپنے وطن میں ہوئی۔ سال وفات معلوم نہ ہو سکا۔

(از حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی مدظلہ دارالتالیف موضع ماندر وایا گھوگھریا ضلع مونگیر بہار)

مولانا سجاد رحمۃ اللہ علیہ جب نائب امیر شریعت ہو کر گیا سے پھلواری شریف منتقل ہو گئے تو انھوں نے مولانا عبدالحکیم کو اپنی جگہ پر مدرسہ انوار العلوم کا ناظم مقرر کیا تھا۔ (از مولانا

قاری فخر الدین صاحب۔ مدرسہ قاسمیہ گیا۔)

حضرت مولانا محمد سجاد صاحب کی وفات کے چند سال بعد ان کا انتقال ہوگیا تھا۔ صاحبِ علم مدرس تھے اور ملی کاموں میں برابر حصہ لیتے رہے۔ زندگی بھر جمعیۃ علمائے ہند کے رکن رہے۔ مدتوں جمعیۃ علما بہار کے نائب ناظم رہے۔ دہلی کے جلسے میں حضرت مولانا سجاد کے قائم مقام کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے۔ مولانا سجاد کسی معذوری کی بنا پر شرکت نہیں کر سکے تھے۔

ان کا وطن موضع شکرانواں ضلع پٹنہ تھا۔ گیا سے وطنی تعلق نہیں تھا۔ (از حضرت مولانا مفتی محمد عثمان غنی صاحب۔ پھلواری شریف بہار)

مولانا مولوی حافظ عبد الحکیم کے والد کا اسم گرامی مولوی کریم بخش تھا۔ موضع شکرانواں، ضلع پٹنہ میں ماہ ربیع الآخر ۱۳۰۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی بعدہٗ موضع گیلانی جو شکرانواں سے چار میل کی دوری پر واقع ہے۔ تحصیل علم کے لئے گئے اور وہیں حفظِ قرآن کی دولت حاصل کی۔ پھر مدرسہ سبحانیہ الہ آباد تشریف لے گئے۔ اور وہاں سے سند فراغت حاصل کی اور مدرسہ نصرۃ الاسلام الہ آباد میں مدرس ہو گئے۔ آپ نسباً شیخ صدیقی اور مذہباً حنفی تھے۔

آپ کی شادی موضع اوگانواں "ضلع پٹنہ میں جو آپ کے مولد سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔ مولوی وزیر الدین صاحب مختار کی دختر نیک اختر سے ہوئی اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔

۱۳۲۹ھ میں جب مفکر اسلام حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ نے محسوس کیا کہ گیا میں ایک دینی درسگاہ کی ضرورت ہے اور مدرسہ سبحانیہ الہ آباد کی مدرسی ترک فرما کر گیا آنے لگے تو مولانا عبد الحکیم بھی مدرسہ نصرت الاسلام سے مستعفی ہو کر ان کے ہمراہ چلے آئے اور حضرت استاذ کے ساتھ قیام مدرسہ اور دیگر امور میں ہمیشہ دست راست بنے رہے۔ جمعیۃ علما صوبہ بہار قیام امارت شرعیہ اور ۱۹۲۲ء کا جمعیۃ علمائے ہند کا اجلاس گیا ان سب کی

انجام دہی میں برابر شریک کار رہے۔ مفکر اسلام نے جب سیاسی امور کی کثرت کار کی وجہ سے قیام مدرسہ انوار العلوم کو ترک فرمایا تو مدرسے کی انتظامی ذمہ داری بھی آپ ہی کے سپرد کردی۔

مولانا عبدالحکیم کی وفات حضرت مولانا سجاد کی وفات کے تقریباً چھ ماہ بعد مورخہ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۳۶۰ھ میں بمقام اوگانواں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ پسماندگان میں ایک اہلیہ محترمہ دو فرزند اور ایک صاحبزادی چھوڑی تھی۔ تین سال ہوئے ہیں کہ اہلیہ کا انتقال ہوگیا۔ بڑے فرزند عزیزی ابوبکر۔ بی۔ اے آنرز اور عزیزی ابوظفر مشرقی پاکستان میں ہیں اور دونوں ریلوے میں ملازم ہیں۔ صاحبزادی شادی شدہ ہے اور وہ بھی مشرقی پاکستان میں ہے۔

(از مولوی محمد مقصود عالم صاحب۔ شاگرد مولانا موصوف۔ ساکن نادرہ گنج گیا بتوسط مولوی اصغر حسین صاحب مولانا اسٹور بزازہ روڈ شہر گیا۔)

مولانا محمد اکرم خاں ایڈیٹر اخبار محمدی کلکتہ

آپ کلکتہ سے دو اخبار نکالتے تھے۔ اخبار محمدی بزبان بنگلہ اور اخبار زمانہ بزبان اردو۔ حضرت مولانا مفتی عثمان غنی صاحب مدظلہ (پھلواری شریف) فرماتے ہیں کہ مولانا محمد اکرم خاں غالباً زندہ ہیں اور مشرقی پاکستان میں ہیں۔

مولانا منیر الزماں خاں (کلکتہ)

آپ اسلام آباد چاٹگام کے باشندے تھے۔ بڑے پرجوش انقلابی تھے۔

پاکستان کے شدید مخالف تھے۔ اس لئے پاکستان بننے کے بعد وطن نہیں گئے۔ کلکتہ میں ہی انتقال فرمایا۔ اخیر وقت تک قومی وملی کام کرتے رہے۔ بشکریہ حضرت مولانا مفتی عثمان غنی صاحب مدظلہ (پھلواری شریف)

مولانا مفتی محمد صادق کراچوی

مولانا کی ولادت محلہ کھڈہ کراچی میں ۱۲۹۱ھ ۱۸۷۴ء میں ہوئی۔ اور وفات ۶ شوال ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۸ جون ۱۹۵۳ء میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد مولانا عبداللہ ابن عبدالکریم کراچی کے ایک باثر اور خدا ترس بزرگ تھے۔ انہوں نے محلہ کھڈہ میں درس وتدریس اور وعظ وتبلیغ کا سلسلہ شروع کیا اور کراچی کی مشہور دینی درسگاہ مظہر العلوم ۱۳۰۲ھ ۱۸۸۵ء میں جاری کی جس کو آگے چل کر حضرت مولانا محمد صادق نے زبردست ترقی دی۔

مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور کچھ عرصے کے بعد مولانا مولوی احمد الدین چکوالی کو بلا کر ان کی مزید تعلیم کے لئے مقرر کیا گیا۔ پھر دارالعلوم دیوبند بھیج دیا۔ جہاں انہوں نے اپنی تعلیم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور حضرت مولانا غلام رسول ہزاروی کے پاس رہ کر مکمل کی اور ۱۳۱۴ھ ۱۸۹۶ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ دیوبند سے واپس آنے کے بعد آپ مدرسہ مظہر العلوم کی ترقی میں کوشاں رہے۔ اور عقائد باطلہ کے استیصال اور آزادی وطن کی جدوجہد میں نمایاں حصہ لیا۔ اور تحریک ریشمی رومال جو حضرت شیخ الہند کی قیادت میں شروع ہوئی تھی۔ اس کے آٹھ ہیڈ کوارٹروں میں سے ایک کی ذمہ داری آپ کے سپرد تھی اور جب ترکوں کے خلاف انگریزی فوج کی کمک کے لئے کیپٹن ٹاؤن شنڈ کی کمان میں تیس ہزار ہندوستانی فوج بلوچستان کے راستے روانہ ہوئی تو مولانا موصوف کے فتوے

اور اشارے پر مینگل قبائل نے بغاوت کردی۔ اس وقت سردار نورالدین مینگل قبائل کے سردار تھے۔ چنانچہ ایک مقام "قنطرۃ العمارہ" میں یہ فوج محصور ہوگئی۔ جس میں سے سترہ ہزار مارے گئے اور بقیہ تیرہ ہزار کو کمانڈر سمیت ترکوں نے گرفتار کرلیا۔ بعد میں جب یہ راز کھلا تو مولانا کو ۱۹۱۵ء / ۱۳۳۴ھ میں گرفتار کرلیا گیا اور تقریباً تین سال بمبئی کے قریب ایک مقام کاروار میں نظر بند رہے۔

۱۹۱۹ء / ۱۳۳۸ھ میں جمعیۃ علما کے قیام کے وقت آپ دہلی کے اجتماع میں شریک تھے۔ جمعیۃ علمائے ہند کی شاخ آپ نے جمعیۃ علمائے سندھ کے نام سے کراچی میں قائم کی اور اس کے صدر رہے۔ نیز مرکزی جمعیۃ علمائے ہند کی مجلس عاملہ کے بھی رکن رہے۔ دارالعلوم دیوبند مجلس شوریٰ کے بھی رکن رہے۔ ہندوستان میں جب شدھی سنگٹھن کی تحریک شروع ہوئی تو اس سیلاب کے مقابلے کے لئے آپ نے کراچی میں ایک تبلیغی مرکز قائم کیا۔ جہاں سیکڑوں غیرمسلم آپ کے دست حق پرست پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے جن میں سے ایک پاکستان کے مشہور لیڈر شیخ عبدالمجید سندھی بھی ہیں۔

جب مولانا عبیداللہ سندھی جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور آخری ایام میں حجاز میں تھے۔ مولانا محمد صادق نے صوبہ سندھ کے وزیر اعلیٰ جناب اللہ بخش سومرو کو توجہ دلاکر حکومت سندھ کی کوشش سے مولانا عبیداللہ پر سے پابندی ہٹوائی اور وہ مارچ ۱۹۳۹ء میں واپس اپنے وطن تشریف لے آئے۔ کراچی کی بندرگاہ پر ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ اور انھوں نے کافی عرصے مدرسہ مظہر العلوم میں قیام فرمایا۔ اور یہاں بیت الحکمۃ کی بنیاد رکھی۔ نیز جمعیۃ خدام الحکمۃ ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء میں قائم کی۔

اور رجب ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء میں مولانا عبیداللہ نے دارالعلوم دیوبند میں جمعیۃ الانصار

قائم کی تھی نوان کے سرگرم رفیق کار مولانا محمد صادق اور مولانا احمد علی تھے۔ آل مسلم پارٹیز کانفرنس منعقدہ ۱۶، ۱۷ ستمبر ۱۹۴۵ء نے جو ایک آل انڈیا مسلم پارلیمنٹری بورڈ بنایا تھا اس کے ۲۳ ممبروں میں سے ایک ممبر مولانا موصوف بھی تھے۔

قیام پاکستان سے قبل ضلع حیدرآباد سندھ کے ایک قصبہ لواری میں وہاں کے گمراہ پیروں نے ایک مکروہ رسم کی بنا ڈالی تھی یعنی ۹ ذی الحجہ کو وہاں حج کے مناسک ادا کرتے تھے اور اس میں شریک ہونے والوں کو حاجی کہا جاتا تھا۔ مولانا مرحوم نے اس مصنوعی حج کے خلاف زبردست جہاد کیا اور اس کے رد میں ایک رسالہ بھی لکھا جس کا نام کلمۃ الحق ہے۔ بالآخر حکومت سندھ نے اس اجتماع پر مستقل پابندی عائد کر دی جو آج تک قائم ہے۔

مولانا مرحوم نے تین نکاح کیے۔ پہلی اہلیہ سے ایک لڑکا ہوا جو خورد سال فوت ہوا۔ دوسری اہلیہ سے نو لڑکیاں ہوئیں جن میں سے چار صاحبزادیاں حیات ہیں۔ تیسری اہلیہ سے دو لڑکے محمد اسمٰعیل اور محمد اسحٰق ہوئے۔ محمد اسحاق صغیر السن فوت ہوئے۔ ان کے علاوہ پانچ لڑکیاں ہوئیں۔

(مرقومہ بالا حالات مولانا کے صاحبزادے مولوی حافظ محمد اسمٰعیل صاحب سلّمہٗ نے لکھ کر بھیجے۔)

مولانا کی وفات کے بعد مولانا حافظ فضل احمد صاحب مدرسہ مظہر العلوم کے صدر مدرس اور مہتمم رہے۔ یہ مولانا کے بھانجے اور داماد تھے۔ ان کی وفات کے بعد اب مولانا کے فرزند ارجمند مولوی حافظ محمد اسمٰعیل سلّمہٗ مدرسے کے مہتمم ہیں۔ اور مولانا کے دوسرے بھانجے مولوی عبدالغفور صاحب مدرسہ مذکور کے ناظم کتب خانہ ہیں۔

(واصف جولائی ۱۹۶۶ء)

مولانا سید محمد داؤد غزنوی

ابن مولوی عبد الجبار غزنوی بن مولوی سید عبد اللہ غزنوی۔ آپ امرتسر کے باشندے تھے۔ آپ کے جد امجد مولوی عبد اللہ علمائے اہل حدیث میں ممتاز درجہ رکھتے تھے اور مشہور عالم باعمل صاحب کرامات بزرگ تھے۔ آپ کا خاندان سادات ہے مگر چونکہ آباء و اجداد غزنی سے امرتسر میں آکر آباد ہو گئے تھے اس لئے غزنوی کہلاتے ہیں۔ مولانا عبد اللہ نے لاہور میں ایک مدرسہ عربیہ قائم کیا تھا۔ مولانا سید محمد داؤد بھی اس مدرسے کو چلاتے رہے۔ افسوس! دو تین سال ہوئے کہ لاہور میں آپ کی وفات ہو گئی

مولانا کے دو صاحبزادے پہلی اہلیہ سے ہیں۔ ابو بکر اور عمر نام ہیں۔ اور دو اس اہلیہ سے ہیں جو مولانا محمد حسین فقیر دہلوی کے خاندان سے ہے۔ بڑے کا نام یحییٰ چھوٹے کا نام غزالی ہے۔ بچیاں اُن کے علاوہ ہیں۔ یہ بچے نابالغ ہیں۔ مولانا کا انتقال غالباً ۱۹۶۳ء ماہ دسمبر میں ہوا۔ (بشکریہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب امیر جماعت اہل حدیث مغربی پاکستان گوجرانوالا)

مولانا سید محمد اسمٰعیل غزنوی

آپ مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے چچا زاد بھائی تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے مولوی اسمٰعیل ولد مولوی عبد الواحد ولد مولوی عبد اللہ غزنوی۔ آپ امرتسر سے لاہور چلے گئے تھے ۱۹۴۷ء کے بعد سیاسیات سے الگ ہو گئے تھے۔ حکومت حجاز سے جو تعلق پہلے سے تھا وہ آخر تک قائم رہا۔ آپ کا انتقال غالباً ۱۹۶۲ء میں ہوا۔

آپ کے ایک فرزند ڈاکٹر خالد ہیں۔ لاہور کارپوریشن میں ملازم ہیں۔ دوسرے کیپٹن طارق فوج میں ملازم ہیں۔ دوسری بیوی جو کشمیری خاندان سے ہے۔ اس کی اولاد لاہور میں ہے۔ کاروباری لوگ ہیں خوشحال ہیں۔
(بشکریہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب امیر جماعت اہل حدیث مغربی پاکستان)

مولانا محمد عبداللہ

آپ کے حالات بالکل معلوم نہ ہو سکے۔

مولانا آزاد سبحانی

آپ کا پورا نام عبدالقادر آزاد سبحانی ہے۔ گورکھپور کے باشندے تھے۔ مدرسہ جامع العلوم کانپور کے مدرس تھے۔ بڑے زبردست خطیب و مقرر تھے۔ مچھلی بازار کانپور کی مسجد کے حادثہ سے آپ بے انتہا متاثر ہوئے اور انگریزی حکومت کے خلاف سخت تقریریں کیں اور گرفتار ہو کر جیل گئے۔

افسوس کہ مزید حالات دستیاب نہ ہو سکے۔ واحسرتا۔

اصرار

موجودہ ارباب اقتدار کی طے کردہ پالیسی کے مطابق بار بار دہرایا جا رہا ہے اسی مسخ کردہ تاریخ کو جو ایک خاص ذہنیت کے ماتحت طے کر لی گئی ہے۔ گویا

اہم قومی خدمت انجام دی جارہی ہے کہ چند بے ثبوت افسانوں اور چند من گھڑت کہانیوں کا نام تاریخی دستاویز رکھ کر اس قدر اس کو دہرایا جائے کہ اصل تاریخ محو ہوجائے۔ چنانچہ اخبار الجمعیۃ میں متعدد مرتبہ اس کو دہرایا جاچکا ہے۔ اسی سلسلے میں مورخہ ۲۱ فروری ۱۹۶۹ء کے الجمعیۃ (جمعہ ایڈیشن) میں ایک مضمون دیکھ کر میں نے ہفت روزہ کے ایڈیٹر مولانا وحیدالدین خاں کو مندرجہ ذیل عریضہ لکھا۔

مکرمی جناب مولانا وحیدالدین خاں صاحب۔ ایڈیٹر ہفت روزہ الجمعیۃ دہلی

السلام علیکم! الجمعیۃ جمعہ ایڈیشن مورخہ ۲۱ فروری ۱۹۶۹ء میں صفحہ ۲ پر جناب کا ایک مضمون حضرت مولانا عبدالحلیم صدیقی مرحوم کے متعلق شائع ہوا ہے۔ اس میں آپ نے مولانا مرحوم کے متعلق بحوالہ مولانا اسعد میاں تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"مولانا موصوف جمعیۃ علما کے صفِ اوّل کے بانیوں میں سے تھے" یہ تاریخی اکتشاف صحیح نہیں ہے۔ مولانا اُس وقت تک دہلی نہیں آئے تھے۔

جمعیۃ علمائے ہند کا انعقاد نومبر ۱۹۱۹ء کے آخری ہفتہ میں بمقام دہلی عمل میں آیا۔ جس جلسے میں جمعیۃ کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس میں پچیس علما شریک تھے۔ ان میں مولانا عبدالحلیم صدیقی کا اسم گرامی نہیں ہے۔ اس کے بعد جمعیۃ کی پہلی کانفرنس بمقام امرتسر ہوئی۔ اس کی پہلی نشست منعقدہ ۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء میں بھی مولانا موجود نہیں تھے۔ البتہ دوسری اور تیسری نشست منعقدہ ۳۱ دسمبر ۱۹۱۹ء و یکم جنوری ۱۹۲۰ء میں شریک ہوئے۔ اُس زمانے میں مولانا کا قیام بھوپال میں تھا۔ پھر غالباً ۱۹۲۱ء میں آپ دہلی آکر آباد ہوئے اور جب اُسی سال مولانا احمد سعید جنرل سکریٹری جمعیۃ علمائے ہند گرفتار ہوئے تو آپ نے ان کی جگہ بحیثیت سکریٹری ... بہر حال مولانا کے متعلق یہ کہنا کہ وہ جمعیۃ کے صف اول کے بانیوں میں سے تھے

تاریخی حیثیت سے ناقابلِ اعتبار ہے۔ آپ کو مضمون لکھتے وقت حوالہ کو پرکھ لینا چاہیئے تھا۔

(۲)

معلوم ہونا چاہیئے کہ جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد انگریزوں نے شریف حسین کی عملداری کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ فلسطین، عراق، شرق اردن، حجاز۔ اول الذکر کو اپنے انتداب میں لے لیا۔ عراق اور شرق اردن پر شریف حسین کے دو بیٹوں کو حکمراں بنایا۔ حجاز شریف حسین کو دیا۔ پھر سلطان ابن سعود نے اس پر حملہ کر کے باقاعدہ جنگ لڑ کر حجاز کو فتح کر لیا۔ مؤتمر عالم اسلامی جو ۱۹۲۶ء میں حجاز میں منعقد ہوئی تھی وہ سلطان ابن سعود کی بلائی ہوئی کانفرنس تھی جمعیۃ علمائے ہند کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ جمعیۃ کا وفد مندرجۂ ذیل تھا:۔
صدر وفد۔ حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صدر جمعیۃ علمائے ہند۔ سکریٹری وفد۔ مولانا احمد عرفان صاحب۔ پرائیویٹ سکریٹری صدر وفد۔ مولانا عبد الحلیم صدیقی۔ ارکان وفد۔ مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا احمد سعید صاحب۔ مولانا مفتی نثار احمد صاحب۔

(۳)

"جرمن لیڈروں نے مولانا محمود حسن صاحب سے کہا کہ ابھی تک آپ آزادی کی جدوجہد کو تنہا مسلم قوم کے بل پر چلا رہے ہیں مگر اب آپ اس کو متحدہ محاذ کی شکل دے دیجئے۔" آگے جناب کی تشریح یہ ہے کہ "ریشمی رومال کی تحریک صرف مسلمان چلا رہے تھے۔"

یہ ریشمی رومال کی تحریک کیا چیز ہے؟ مولانا صدیقی نے جو کچھ فرمایا اس کو تاریخی حیثیت سے جانچنے کے بجائے آپ نے اس کی جو تشریح فرمائی وہ قابلِ داد ہے۔ آزادی کی جدو[جہد] میں خبر رسانی کے لئے اگر کہیں ریشمی رومال یا چپاتی کو استعمال کیا گیا تو اس کا نام [تحریک]

تحریک یا چپاتی کی تحریک رکھ دینا بڑی عجیب تشریح ہے۔ راجہ مہندر پرتاب کا مولانا عبید اللہ سندھی اور شیخ الہند سے کوئی تعلق کچھ علم میں ہے یا نہیں؟ اس زمانے میں سارے ہندوستان میں خفیہ سازشوں کی آگ سلگ رہی تھی۔ تنہا مسلمانوں ہی نے نہ ۱۸۵۷ء میں کوئی تحریک چلائی نہ اُسکے بعد۔ (سڈیشن کمیٹی کی رپورٹ ملاحظہ فرمایئے) انگریزوں کے خلاف بیزاری عوام کے ہر طبقے اور ہر فرقے میں موجود تھی۔ پہلے خفیہ سازشیں تھیں جن کا دَور شیخ الہند کی گرفتاری کے بعد رولٹ ایکٹ کی داروگیر کی وجہ سے ختم ہوگیا۔ پھر اس نے آئینی عوامی تحریک کی صورت اختیار کی۔ رولٹ ایکٹ کے خلاف احتجاجی بلوے، تحریکِ خلافت اور گاندھی جی کی رہنمائی جمعیۃ علما کا انعقاد۔ یہ سب کچھ حضرت شیخ الہند کی موجودگی میں ہوا۔ ملک کی اس سیاسی کروٹ اور نظریہ کی تبدیلی کا جرمن لیڈروں کے مشورے سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں۔ روایۃً اور درایۃً یہ بالکل بے ثبوت اور ساقط الاعتبار بات ہے۔ اُس وقت ملک میں جو لیڈر تھے وہ ملکی حالات اور اس کے تقاضوں کو خود سمجھ رہے تھے۔ یہ کروٹ رائے عامہ کی بیداری کی بنا پر تھی۔ کسی جرمنی مفکر کے مشورے یا ہدایت کی منتظر نہیں تھی۔ فقط:۔

گستاخی کی معافی چاہتا ہوں۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

دعاگو۔ حفیظ الرحمان واصف

مہتمم مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی

۱۲ر فروری ۱۹۶۹ء

مذکورہ بالا عریضہ کا کوئی جواب نہیں ملا۔ عرصے کے بعد مولانا موصوف سے ملاقات ہوئی۔ یاد دہانی کرائی تو غضبناک ہوکر تحقیر کے انداز میں فرمایا کہ میں اس قسم کی بحث کو قطعاً فضول ... یہ نہایت گھٹیا قسم کی ذہنیت ہے کہ محض اس پر بحث کی جائے کہ فلاں جماعت یا

مدرسے کو کس نے قائم کیا اور اس کا اصل بانی کون ہے۔ یہ کوئی اہم قومی خدمت نہیں ہے۔ ہمارے سامنے اس وقت بہت اہم مسائل ہیں۔ ہمیں فرصت نہیں ہے کہ ایسی فضول بحثوں میں اپنا وقت ضائع کریں۔ (او کما قال)

مولانا وحید الدین خاں نے جو جواب ارشاد فرمایا یہ غیر متوقع نہیں تھا۔ میں خاموشی کے ساتھ اٹھ کر چلا آیا۔

پیش کردہ

ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

انجم

دہلی میں مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۹ء بروز جمعہ ۵ بجے شام خان عبدالغفار خاں (عرف بادشاہ خان) کے استقبالیہ جلسہ منعقدہ متصل درگاہ حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی رحمتہ اللہ علیہ میں جناب نورالدین احمد صاحب بیرسٹر نے بادشاہ خان کی خدمت میں ایک سپاسنامہ پیش کیا۔ اس پر صاحب اقتدار مورخین کے آرگن کا ریمارک ملاحظہ فرمایئے:۔

"اس سپاسنامہ کا سب سے افسوس ناک پہلو جس کی سب سے بڑی کوتاہی یہ ہے کہ اس میں بادشاہ خان کے بارے میں لفاظی ضرور ہے، مگر ان کی مجاہدانہ اور بہادرانہ زندگی پر روشنی نہیں پڑتی اور ان کی زندگی کے کئی اہم گوشے جن پر سے پردہ اٹھانے اور آج کی نسل کو بتانے کی ضرورت ہے۔ وہ اس میں نمایاں نہیں کیے گئے۔ خاص طور پر قصہ خوانی۔ بازار کے تاریخی واقعہ کا کوئی ذکر نہیں جس میں سینکڑوں پٹھانوں نے سینہ پر گولیاں کھائی تھیں۔

سپاسنامے میں بادشاہ خان کو گاندھی جی کا دست راست، مولانا محمد علی، ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خاں کا ترجمان، مفتی کفایت اللہ۔ ابوالکلام آزاد اور جواہر لال نہرو کا شریک کار کہاہے، لیکن شیخ الہند کا ذکر نہیں کیا جن سے بادشاہ خان متاثر ہوئے اور ...